خطباتِ عثمانی

6

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعۃ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

خطاب : شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب : مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

اشاعت اوّل : ۲۰۱۴ء

باہتمام : محمد مشہود الحق کلیانوی

ناشر : میمن اسلامک پبلشرز

کمپوزنگ : عبدالماجد پراچہ

جلد : ۶

قیمت : /۔ روپے

حکومت پاکستان کاپی رائٹس رجسٹریشن نمبر:

ملنے کے پتے

- میمن اسلامک پبلشرز، کراچی: 0313-9205497
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، دارالعلوم، کراچی ۱۴
- ادارۃ المعارف، دارالعلوم کراچی ۱۴
- کتب خانہ اشرفیہ، قاسم سینٹر، اُردو بازار، کراچی ۱۴
- مکتبۃ العلوم، سلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی، نزد جامعہ فاروقیہ، کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، لاہور

عرضِ مرتب

الحمدللہ، اللہ تعالیٰ نے استاذ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی کو ہر میدان میں جو بلند مقام عطا فرمایا ہے، وہ محتاج بیان نہیں، حضرت والا مدظلہم کے ہفتہ واری دو بیانات ہوتے ہیں، ایک بیان جمعہ کے روز جمعہ کی نماز سے قبل جامع مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال کراچی میں ہوتا ہے، دوسرا بیان اتوار کے روز عصر کی نماز کے بعد جامعہ دارالعلوم کراچی کی جامع مسجد میں ہوتا ہے، سالہا سال سے ان بیانات کا یہ سلسلہ جاری ہے، اور ''اصلاحی خطبات'' کے نام سے ۱۸/جلدوں پر مشتمل ان بیانات کا پہلا مجموعہ آپ حضرات کے سامنے آچکا ہے۔

کچھ عرصہ سے حضرت والا مدظلہم نے جامع مسجد بیت المکرّم، گلشن اقبال میں قرآن کریم کی مختلف سورتوں کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع فرمایا ہے، جو بہت مفید سلسلہ ہے، اس سے تمام طبقہ کے حضرات کو فائدہ ہو رہا ہے، بہت سے حضرات کی خواہش تھی کہ تفسیر کے اس سلسلے کو نمایاں طور پر شائع ہونا چاہئے، تاکہ اس سے استفادہ کرنا آسان ہو جائے، چنانچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے

''خطبات عثمانی'' کے نام سے دوسرے مجموعہ کا آغاز انہی تفسیری بیانات سے کیا جا رہا ہے، چونکہ ان تفسیری بیانات میں حضرت والا مدظلہم کے اسفار کی وجہ سے وقفات زیادہ ہو جاتے ہیں، اس لئے وقتی موضوعات اور دیگر موضوعات کے بیانات کو بھی ''خطبات عثمانی'' میں شامل کیا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس سلسلے کو قبول فرمائے، اور آخرت کی نجات اور علم دین کی اشاعت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

محمد عبداللہ میمن

استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۴۳۵ھ

اجمالی فہرست

خطبات عثمانی جلدنمبر:۶

تفصیلی فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

ی صلاحیت دیگا

عنوان	صفحہ نمبر

عنوان	صفحہ نمبر

✿

ھٹ دھرمی کرنے والے کو ھدایت نہیں ملتی

(تفسیر سورۃ بینہ)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ھٹ دھرمی کرنے والے کو ھدایت نہیں ملتی

تفسیر سورۂ البینۃ

1

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۝٣

(سورہ بینہ، آیت ۱ تا ۳)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمِ ، وَ صَدَقَ

رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز، یہ پارہ عم کی سورۃ البینۃ ہے، جس کی ابتدائی آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں۔ اس کی مختصر تفسیر اور تشریح عرض کرنی مقصود ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی رضا کے مطابق ٹھیک بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ اس سورت کا نام سورۃ بینۃ ہے، یہ سورت اس لحاظ سے عظیم خصوصیت رکھتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت اُبی بن کعب t سے فرمایا: حضرت اُبی بن کعب t مشہور صحابی ہیں اور تمام صحابہ کرام W میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ قرآن کریم کی تلاوت بڑی دل نشین اور اعلیٰ درجہ کی فرمایا کرتے تھے، اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ: "اَقْرَءُ ھُمْ اُبَیُّ بْنُ کَعْبٍ"، یعنی تمام صحابہ کرام W میں سب سے بہترین قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے ابی بن کعب t ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب مسجد نبوی کے لئے کسی ایسے امام کی ضرورت ہوئی جو پورا قرآن کریم تراویح میں ختم کرے تو حضرت عمر t نے حضرت اُبی بن کعب t کا انتخاب فرمایا۔

کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا؟

بہرحال! ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت اُبی بن کعب t سے فرمایا کہ مجھے اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تم سے سورۃ البینۃ سنوں،

یعنی تم سورۃ البینۃ کی تلاوت کرو، اور میں اس کو سنوں ____ حضرت اُبی بن کعب t بڑے حیران ہوئے، اور بڑا عظیم اعزاز بھی محسوس فرمایا، تو حضرت اُبی بن کعب t نے حضور ﷺ سے پوچھا: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا تھا؟ اور میرا نام لے کر فرمایا تھا کہ اُبی بن کعب سے سنو، تو سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر یہ سورت تلاوت کرنے کے لئے فرمایا، جب ان کو پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر یہ حکم دیا ہے تو یہ سنتے ہی حضرت ابی بن کعب t رو پڑے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا اتنا بڑا اکرام فرمایا کہ یہ سورت مجھے تلاوت کرنے کے لئے فرمایا۔ بہرحال! یہ وہی سورت ہے۔

اسلام کے تین بنیادی عقیدے

آپ نے دیکھا کہ اب تک جتنی سورتوں کی تفسیر اور تشریح کا بیان ہوتا چلا آرہا ہے، وہ مختصر سورتیں تھیں، لیکن یہ سورت ان سورتوں کی بنسبت بڑی سورت ہے، اور اس سورت کا ایک بنیادی مقصد ہے، وہ یہ کہ اسلام کے تین بنیادی عقیدے ہیں۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے، اور ان تین عقیدوں پر ہی پورے دین اسلام کی بنیاد ہے۔ 1 ایک توحید کا عقیدہ، یعنی اس بات کا عقیدہ کہ اس کائنات میں اللہ جل شانہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ"۔ 2 دوسرا عقیدہ رسالت کا، یعنی اس بات کا عقیدہ کہ اللہ جل شانہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے کچھ پیغمبر مبعوث فرمائے، اور ان پیغمبروں کی ہدایات پر عمل کرنا انسانوں کے لئے ضروری ہے، آخرت کی نجات اس کے بغیر نہیں ہوسکتی ____ 3 تیسرا عقیدہ یہ ہے کہ قبر میں جانے کے بعد ایک دوسری زندگی پیش آنے والی

ہے، جو دائمی اور ابدی زندگی ہوگی، اس زندگی کو کبھی فنا اور زوال نہیں ہوگا۔ یہ تین بنیادی عقیدے ہیں۔

اس سورت میں رسالت کا عقیدہ

قرآن کریم میں انہی تینوں عقیدوں کو مختلف انداز سے، مختلف اسالیب میں اور مختلف پیرائے میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں، کہیں توحید کو بنیادی موضوع قرار دے کر اس کو ثابت فرمایا ہے، کہیں آخرت کا عقیدہ بیان فرمایا ہے۔ اور اس کو ثابت کیا ہے، اور اس سورت بینۃ میں رسالت کے عقیدے کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کو دنیا میں نافذ کرنے کے لئے اور لوگوں تک ہدایت کا پیغام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیجتے رہے ہیں، جن کا سلسلہ حضرت آدم u سے شروع ہوا تھا، اور جناب نبی کریم ﷺ پر اس کی تکمیل ہوگئی۔

انسان کو اندھیرے میں نہیں رکھا جاسکتا

اگر غور سے دیکھا جائے تو درحقیقت اللہ تعالیٰ کے وجود اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کا منطقی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ آدمی پیغمبروں پر ایمان لائے، کیوں؟ اس لئے کہ اگر آپ نے یہ مان لیا کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے یہ ساری کائنات پیدا کی ہے، اسی نے یہ چاند ستارے بنائے ہیں، اسی نے یہ زمین پیدا کی ہے، اسی نے اس زمین میں ان جانوروں کو پیدا کیا ہے، اسی نے یہ سب جمادات، نباتات اور انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ تو خود بخود

انسان کے دل میں یہ سوال پیدا ہونا چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو اس بھری دنیا میں بھیجا تو کیا ایسے ہی اندھیرے میں بھیج دیا کہ وہ جو چاہے کرتا پھرے! اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے اس کی قدرت کاملہ پر ایمان ہے، اور اس بات پر ایمان ہے کہ اسی نے انسان کو اس دنیا کے اندر بھیجا ہے، اور یہ دنیا متنوع قسم کی ہے، اس میں اچھائیاں بھی ہیں، اور برائیاں بھی ہیں، اس دنیا میں ظالم بھی ہیں اور مظلوم بھی ہیں، ہر طرح کے انسان ہیں۔ تو کیا یہ ممکن ہے کہ ایک پروردگار انسان کو پیدا تو کردے، اور دنیا میں بھیج کر اس کو اندھیرے میں رکھے کہ اس کو کچھ پتہ نہ ہو کہ مجھے اس دنیا میں کس طرح زندگی گزارنی ہے، اور اس کو یہ پتہ نہ ہو کہ کیا چیز اچھی ہے اور کیا چیز بری ہے؟ اور نہ اس کو یہ پتہ ہو کہ کیا کام کرنا ہے، اور کیا کام نہیں کرنا ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے اور اس کی قدرت کاملہ سے ممکن ہی نہیں تھی۔

آخرت میں ہر چیز کا بدلہ دیا جائیگا

بالخصوص اگر آخرت پر بھی ایمان ہو کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آئے گی، جس میں تمام انسانوں کو اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہوگا۔ اگر کسی نے اچھا کام کیا ہے تو اس کو اس کا اچھا بدلہ ملے گا، اگر برے کام کئے ہیں تو اس کو برا بدلہ ملے گا، اگر ظلم کیا ہے تو ظلم کا انجام وہاں دیکھے گا، اگر انصاف اور عدل سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزاری ہوگی تو اس کو اللہ تعالیٰ وہاں انعام عطا فرمائیں گے، اگر ظلم کیا ہے تو اس کو وہاں اس کی سزا ملے گی، اگر اس پر بھی

ایمان ہے تو ان دونوں چیزوں کو ملا کر دیکھو کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں بھیج دیا اور کوئی ہدایت نہیں دی، کوئی احکام اور کوئی رہنمائی نہیں فرمائی۔ اور دوسری طرف یہ ہے کہ جب وہاں آخرت میں پہنچو گے تو وہاں پر تمہارا حساب لیا جائے گا ــــ یہ کیسے ممکن ہے؟

رسالت پر ایمان اللہ کی قدرت کاملہ پر ایمان لانے کا نتیجہ ہے

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات پر، اس کی صفات پر، اس کی حکمت بالغہ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آدمی یہ تسلیم کرے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے کوئی سلسلہ جاری کیا ہے کہ کیا اچھا ہے، اور کیا برا ہے، اس کے لئے انبیاء ○ اور پیغمبر اس دنیا میں تشریف لائے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہوتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ انسانوں کو یہ بتاتے ہیں کہ تمہارے لئے کونسا کام اچھا ہے، اور کونسا کام برا ہے، کونسا کام تمہارے لئے فائدہ مند ہے، اور کونسا کام فائدہ مند نہیں، اسی امتحان اور آزمائش کے لئے انسانوں کو اس دنیا کے اندر بھیجا گیا ہے ــــ لہٰذا ''رسالت'' پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر ایمان لانے کا لازمی نتیجہ ہے۔ اس سورت ''بینہ'' میں اللہ تعالیٰ نے اسی ''رسالت'' کے عقیدے کو بیان فرمایا ہے کہ ہم نے دنیا میں رسول کیوں بھیجے۔ اور پھر یہ بھی بتایا کہ پیغمبروں کے آنے کے بعد لوگوں نے کیا طور طریقے اختیار کئے، اور اس کا انجام کیا ہوا؟ ــــ لہٰذا پہلے میں اس سورت کا ترجمہ پیش کرتا ہوں اس کے بعد انشاء اللہ ایک ایک آیت کی کچھ تشریح

عرض کروں گا۔

اہل کتاب سے کون مراد ہیں؟

باری تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۙ﴿۱﴾

یہ لوگ جو اہل کتاب ہیں ___ اہل کتاب عیسائیوں اور یہودیوں کو کہا جاتا ہے کیونکہ عیسائی اور یہودی حضرت عیسیٰ u اور حضرت موسیٰ u کی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے، اگرچہ ان کتابوں کے اندر ان لوگوں نے تحریف کر دی۔ لیکن بنیادی طور پر اس بات کے قائل تھے کہ کوئی کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی تھی اور وہ اس کتاب کے احکام کے پابند تھے۔ اس لئے ان کو "اہل کتاب" کہا جاتا ہے۔ بہرحال! فرمایا کہ جو لوگ اہل کتاب ہیں، اور مشرکین ___ مشرکین سے مراد ہیں۔ بت پرست، جو نہ کسی کتاب کے قائل، نہ کسی پیغمبر کے قائل اور نہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل، بلکہ ان لوگوں نے ہزاروں دیوتا بنا رکھے ہیں، اور ان کو پوجا کرتے ہیں، اور مکہ مکرمہ اکثریت انہی مشرکین کی تھی۔

یہ لوگ ماننے والے نہیں تھے

اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ: یہ اہل کتاب ہوں، یا مشرکین ہوں، یہ اپنی حرکتوں سے باز آنے والے نہیں تھے، جب تک کہ ان کے سامنے ایک روشن دلیل نہ آگئی ہو ___ یعنی یہ لوگ اپنے آباء واجداد کے وقت سے ایک خاص

طریقے پر چلتے آرہے تھے، باپ دادا نے جو طریقہ چھوڑا تھا، اسی کو وہ برحق سمجھتے تھے، کوئی اگر آکر ان سے یہ کہتا کہ تم غلط کر رہے ہو، تو یہ لوگ ماننے والے نہیں تھے، جب تک کہ روشن دلیل ان کے سامنے نہ آجاتی۔ وہ روشن دلیل کیا ہے؟

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ﴿۲﴾ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ؕ﴿۳﴾

یعنی ایک ایسا رسول ان کے پاس آتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا ہوتا، جو ان کے سامنے پاکیزہ صحیفے تلاوت کرے جن صحیفوں میں سیدھی اور سچی باتیں ہوں، تب جا کر شاید ایمان لے آتے، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کسی رسول کو نہ بھیجتا، تو یہ لوگ اپنی پرانی روش پر گامزن رہتے اور اپنی گمراہی سے باز نہ آتے۔

ایسے رسول کو بھی ٹھکرا دیا

آگے فرمایا:

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ؕ﴿۴﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان کافروں کے طرز عمل پر افسوس کا اظہار فرما رہے ہیں کہ باوجودیکہ ان کے پاس ایسا رسول آگیا، یعنی رسول اللہ ﷺ، جس کی ذات بالا صفات، جن کی ذات وجود سراپا ہدایت تھی، اور سراپا روشن دلیل تھی، جس کے چہرے مہرے کی زیارت سے آدمی سمجھ سکتا تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا

ہے، لیکن اس کے باوجود ان لوگوں نے اپنا الگ راستہ اختیار کیا۔ حالانکہ اس رسول نے آکر نہ کوئی نئی بات کہی، نہ کوئی ایسی بات کہی جو ان لوگوں کے لئے قابل تسلیم نہ ہو، یا جس پر عمل کرنا بڑا دشوار ہو۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رسول نے آکر ان کو کیا احکام دیئے؟

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ
حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ
الْقَيِّمَةِ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۵)

یعنی ان لوگوں کو اس رسول کے ذریعہ حکم نہیں دیا گیا، مگر اس بات کا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اور اپنی ساری اطاعت خالصۃً اللہ کے لئے کریں، اور سیدھے ہوکر کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور حقیقت میں سیدھی اور سچی ملت کا دین یہی ہے، جس کی دعوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ لیکن اس کے باوجود ان میں سے بہت سے لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا، اور اپنی ضد پر اڑے رہے۔ الحمدللہ! جن لوگوں کے دلوں میں قبول کا مادہ تھا، جو لوگ ہدایت کی تلاش میں تھے، انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور دیکھتے ہی حق کو قبول کرلیا۔

یہ بدترین مخلوق ہیں

آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ

نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝
(سورہ بینہ، آیت ۶)

یعنی اس دعوت کے نتیجے میں وہ لوگ دو گروہ میں تقسیم ہوگئے، ایک کافر، ایک مؤمن، چنانچہ فرمایا کہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، چاہے وہ مشرکین ہوں، وہ جہنم کی آگ میں ہوں گے، اور ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے، یہ لوگ مخلوق میں سب سے بدترین مخلوق ہیں۔

یہ بہترین مخلوق ہیں

آگے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ
الْبَرِيَّةِ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۷)

اور دوسرا گروہ جس نے حق کو قبول کیا۔ ایمان لائے، نیک اعمال کئے، یہ ساری مخلوق میں سے سب سے بہترین مخلوق ہیں۔ آگے فرمایا:

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا
عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۸)

ان کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ایسی جنتیں ہوں گی، جو ہمیشہ رہنے والی ہوں گی، کبھی ختم نہیں ہوں گی، جن میں وہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اس طرح جنت میں رہیں گے کہ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، یعنی اللہ تعالیٰ کی مکمل رضا ان کو حاصل ہوگئی، اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے کہ اللہ

تعالیٰ نے ان کو جو انعام دیا، وہ اس پر خوش ہیں ____ اور یہ انجام درحقیقت اس شخص کا ہوتا ہے جو اپنے پروردگار کی عزمت اور جلال کا رعب اپنے دل میں رکھے، اس کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے، جو مؤمنین کے لئے بیان فرمائی گئی ہے ____ یہ مختصر ترجمہ تھا اس سورت کا۔

اس سورت کا بنیادی پیغام

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ انشاء اللہ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اس سورت کی ایک ایک آیت کی تشریح عرض کروں گا ____ لیکن اس وقت اس سورت سے جو بنیادی پیغام ہمیں مل رہا ہے وہ یہ کہ روشن دلیل آجانے کے بعد اگر کوئی شخص ہٹ دھرمی کا طریقہ اختیار کرتا ہے، اور اپنے آپ کو غفلت میں ڈالتا ہے تو پھر اس کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی، بلکہ وہ طرح طرح کی گمراہیوں میں اور طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے ____ آخرت میں تو اس کا انجام خراب ہے ہی، لیکن اس دنیا میں بھی ایسے شخص کا انجام بہت خراب ہوتا ہے، یہ ایک مختصر پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو اس سورت میں دیا ہے۔

یہ ملک اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے

میں اس پیغام کے حوالے سے مختصراً یہ فریاد کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں اپنی رحمت کی اور اپنے کرم کی اور اپنی قدرت کاملہ کی اتنی نشانیاں دکھائی ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ یہ ملک جس میں ہم اور آپ بیٹھے

ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و کرم اور توفیق کا نتیجہ ہے۔ اس ملک کے قائم کرتے وقت ہم نے یہ وعدے کئے تھے کہ ''پاکستان کا مطلب کیا؟ لا اِلٰہ اِلَّا اللہ'' یعنی اللہ سے ہم مانگتے تھے کہ اے اللہ، ہم ہندو اور انگریزوں کی دوہری چکی میں پس رہے ہیں، اے اللہ! ہمیں الگ سے ایک ملک عطا فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے ہزار مخالفتوں کے باوجود، ہزار دشمنوں کی سازشوں کے باوجود اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ ملک عطا فرما دیا۔

ہم نے بھی وعدہ کی خلاف ورزی کی

لیکن ہم نے جو وعدے کئے تھے کہ ہم اس ملک میں اللہ کے دین پر عمل کریں گے، اس وعدہ کی خلاف ورزی میں ہم پوری قوم مبتلا ہے، حکومتوں نے تو اس وعدہ کو پھینک کر ضلالت اور گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہی تھا، لیکن ہم میں سے بھی کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اس وعدہ خلافی کا مرتکب نہ ہو، ہماری اجتماعی زندگی تباہ ہو چکی ہے، اور اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ حرام خوری ہماری زندگی کے اندر رچ بس گئی ہے۔ رشوت ستانی، دھوکہ دہی میں ہم مشہور ہو چکے ہیں۔ دنیا کے اندر ہمارا تعارف اس اعتبار سے کرایا جاتا ہے کہ پاکستانی قوم دھوکہ باز ہے، پاکستانی قوم رشوت لینے والی ہے، اس کا نتیجہ ہم آج اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ رہے ہیں کہ اس ملک کے جس پہلو کو دیکھو، سیاست سے لے کر معیشت تک اور امن و امان سے لیکر گھروں کے تحفظ تک ہر انسان ایک پریشانی میں، اضطراب میں، بے چینی اور کرب کے اندر مبتلا ہے۔ کسی کی جان محفوظ نہیں، کسی کا مال محفوظ

نہیں، کسی کی آبرو محفوظ نہیں، اور آگے بھی امید کی کوئی کرن بھی چمکتی نظر نہیں آتی۔

ہم سب توبہ استغفار کریں

یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تازیانہ ہے جو ہمیں لگایا جا رہا ہے، قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ ہم کبھی انسانوں کو خوش حالی سے آزماتے ہیں، اور کبھی بدحالی سے آزماتے ہیں۔ لہٰذا اس وقت یہ بدحالی جو ہمارے اوپر مسلط ہے، یہ درحقیقت خود ہماری ان حرکتوں اور کرتوتوں کا نتیجہ ہے ____ خدا کے لئے ہم اپنی جانوں پر رحم کر کے اپنے آپ کو اقراری مجرم بنا کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار اور توبہ کا شعار بنائیں، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر نماز کے بعد ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار اور توبہ کا شعار بنائے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے ہر نماز کے بعد ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے روئے اور گڑگڑائے کہ یا اللہ ہم اپنی کرتوتوں کی وجہ سے اس مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ اے اللہ! اپنی رحمت سے ہمیں معاف فرما، اے اللہ! ہماری قوم کو معاف فرما، ہماری شامتِ اعمال کو دور فرما، ہم پوری امت کی طرف سے، اور پوری قوم کی طرف سے پورے ملک کی طرف سے ہم آپ کی بارگاہ میں استغفار کرتے ہیں۔

پھر برکت کے دروازے کھل جائیں گے

لہٰذا ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھے کہ میں کہاں کہاں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مرتکب ہو رہا ہوں، اور پھر اپنی اصلاح کی

طرف قدم بڑھائے، یاد رکھئے! قوموں کی زندگی میں اس قسم کی آزمائشیں آتی ہیں، اور جو قوم سنبھل جاتی ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت بھی نازل ہوتی ہے، اور اس کا غضب بھی اٹھ جاتا ہے، قرآن کریم میں اللہ فرما رہے ہیں:

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٦﴾

(سورہ الاعراف: ۹۶)

یعنی اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آئیں، اور تقویٰ کی روش اختیار کرلیں تو یقین رکھو کہ ہم ان پر آسمان سے برکتوں کے دروازے کھول دیں گے ____ اس کا پہلا قدم توبہ اور استغفار ہے۔ آج ہم میں سے ہر شخص توبہ استغفار کو اپنا مطمح نظر بنالے۔ ہر نماز کے بعد اپنے لئے، اور تمام اہل وطن کے لئے، اہل ملت کے لئے۔ پوری قوم کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار اور توبہ کرے، اور اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کی کوشش کرے تو بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دن پھیر دے، اور جس عذاب میں ہم لوگ مبتلا ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس عذاب کو ہم سے ہٹالے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ○

❁

اہل کتاب کون اور مشرکین کون؟

(تفسیر سورۃ بینہ)

2

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعۃ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

اہل کتاب کون اور مشرکین کون؟

تفسیر سورۃ البینۃ

2

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ﴿۲﴾ فِيْهَا

كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ﴿۳﴾ وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾

(سورہ بینہ، آیت ۱ تا ۴)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگان محترم و برادران عزیز: یہ سورۃ بینہ ہے جس کی ابتدائی آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ گزشتہ جمعہ کو میں نے اس کی ابتدائی آیات کا ترجمہ اور اس کے بنیادی موضوع کا بیان اختصار کے ساتھ کیا تھا۔ اور ساتھ میں نے یہ عرض کیا تھا کہ انشاء اللہ آئندہ جمعہ میں اس کی ایک ایک آیت سے متعلق تشریحات انشاء اللہ آپ حضرات کی خدمت میں پیش کروں گا۔

آپ کی بعثت کا مقصد

اس سورت کے ابتداء میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا میں تشریف آوری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت کا بیان فرمایا ہے، فرمایا:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۱﴾

یعنی آپ کو اس دنیا میں اس لئے مبعوث فرمایا گیا کہ جو لوگ دنیا میں گمراہی کے اندر مبتلا تھے، وہ اپنی گمراہی میں اتنے آگے چلے گئے تھے کہ جب تک ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی صورت میں ایک روشن دلیل نہ آجاتی، اس وقت تک اپنے کفر اور گمراہی سے باز آنے والے نہیں تھے____

اہل کتاب کون؟

دنیا میں کفر، شرک اور گمراہی کے مظاہرے دو قسم کے لوگوں کی طرف سے ہوتے رہے ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جن کو اہل کتاب کہا جاتا ہے، اہل کتاب ان کافروں کو کہا جاتا ہے جو اصل میں کسی نہ کسی پیغمبر پر ایمان رکھتے ہیں، بلکہ جس پیغمبر پر ایمان لانے کے مدعی ہیں۔ ان سے پہلے جو پیغمبر آئے، ان سب پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اور جس پیغمبر پر ایمان لانے کے مدعی ہیں۔ اس پیغمبر پر جو کتاب نازل ہوئی تھی۔ اس کو بھی فی الجملہ مانتے ہیں۔ اس لئے ان کو ''اہلِ کتاب'' کہا جاتا ہے____ مثلاً یہودی ہیں۔ جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ u کا پیروکار کہتے ہیں کہ ہم حضرت موسیٰ u کے متبع ہیں، اور ان کے دین پر ہیں، اور حضرت موسیٰ u کو آسمانی کتاب ''تورات'' عطا کی گئی تھی، اس ''تورات'' پر بھی فی الجملة ایمان رکھتے ہیں، لہٰذا وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے جاتے رہے ہیں۔ اور حضرت موسیٰ u بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، اور ان پر بھی آسمانی کتاب تورات نازل ہوئی تھی۔ وہ ان سب باتوں کو مانتے ہیں۔

یہودیوں کے مشرکانہ عقائد

لیکن حضرت موسیٰ u کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد ان کی حالت تبدیل ہوگئی اور رفتہ رفتہ ان کے اندر خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ جو حقیقت میں حضرت موسیٰ u کے دین میں نہیں تھیں____ مثلاً یہ کہ ان میں سے بعض نے حضرت عزیز u کو اللہ کا بیٹا قرار دینا شروع کر دیا۔ بعد میں یہ کہا کہ ہم سب اللہ کے بیٹے ہیں:

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (سورہ المائدۃ:۱۸)

اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کی محبوب مخلوق تو صرف ایک ہی ہے، وہ ''بنی اسرائیل'' ہیں، اور پوری دنیا کے انسان اللہ کی سوتیلی مخلوق ہیں____ اور یہ کہنا شروع کر دیا کہ حضرت یعقوب u کی اولاد میں جتنے لوگ آتے ہیں وہ تو اللہ کے چنیدہ اور برگزیدہ بندے ہیں اور یہی لوگ درحقیقت جنت کے مستحق ہیں، اور ان کے علاوہ جو غیر قومیں ہیں، چاہے حضرت ابراہیم u کی اولاد میں ہوں، اور بنی اسماعیل میں سے ہوں، وہ غیر قوم ہیں۔ بلکہ وہ چرندوں اور درندوں اور جانوروں سے بھی بدتر قوم ہیں، اور نجات صرف بنی اسرائیل کی ہوگی، دوسرے لوگ چاہے وہ کچھ بھی کرلیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نہیں بن سکتے۔ ان کے علاوہ اور نہ جانے کتنے باطل عقیدے اختیار کرلئے، جس کی وجہ سے وہ کافر گمراہ قرار پائے، ورنہ اصل میں وہ حضرت موسیٰ u کے دین پر ہونے کی وجہ سے سیدھے راستے پر تھے اور حضرت موسیٰ u نے ان کو سیدھے راستے پر ڈالا تھا۔ لیکن بعد

میں ان کے اندر یہ گمراہیاں پیدا ہوگئیں۔

عیسائیوں کے مشرکانہ عقیدے

دوسرے ''اہل کتاب'' وہ ہیں، جن کو ''عیسائی'' اور ''نصرانی'' کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حضرت عیسیٰ u کا پیروکار اور ان کا متبع قرار دیتے ہیں، کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ u پر اللہ تعالیٰ نے ''انجیل'' نازل فرمائی، لہٰذا وہ انجیل کے بھی قائل ہیں، لیکن یہ لوگ حضرت عیسیٰ u کی محبت میں غلو کرکے انہوں نے یہ کہنا شروع کردیا کہ دراصل حضرت عیسیٰ u اللہ کے بیٹے تھے ___ اور یہ کہنے لگے کہ ''خدا'' تین چیزوں سے مل کر بنتا ہے، ایک باپ، ایک بیٹا، ایک روح القدس ___ اب سارے انبیاء o توحید کی تعلیم دیتے آئے ہیں۔ ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی خالق بھی نہیں، کوئی معبود بھی نہیں، لیکن ان لوگوں نے خدا کے اندر حصّے بخرے کرکے ''تثلیث'' کا عقیدہ بنالیا کہ باپ، بیٹا، اور روح القدس، تینوں ملکر خدا بنتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عیسیٰ u جو اللہ کے پیغمبر تھے، اللہ کا سچا پیغام لیکر آئے تھے، اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب ان پر نازل ہوئی تھی۔ اس کے باوجود انہوں ں نے حضرت عیسیٰ u کو خدا کا بیٹا بنادیا، اور خدا بنادیا، چنانچہ آج ان کے کلیساؤں میں حضرت عیسیٰ u کی صلیب کی عبادت ہوتی ہے۔ ان کے خیال میں حضرت عیسیٰ u کو صلیب پر چڑھایا گیا تھا، اور اس کے علاوہ حضرت مریم i اور حضرت عیسیٰ u کی تصویریں لگی ہوتی ہیں۔ ان کی عبادت ہوتی ہے، لہٰذا خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کی عبادت کا تصور

ان کے یہاں بھی ختم ہوگیا۔ یہ ہیں ''اہل کتاب'' جن کو قرآن کریم ''اہل کتاب'' کہتا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی کتابیں نازل ہوئی تھیں، اور اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبروں نے ان کو سیدھا راستہ دکھایا تھا۔ لیکن بعد میں یہ لوگ بھٹک گئے۔

مشرکین کے عقیدے

دوسری قسم کافروں اور گمراہوں کی وہ تھی جو سرے سے کسی پیغمبر کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے، اور انہوں نے شروع ہی سے اپنے قیاسی گھوڑے دوڑا کر بے شمار خدا بنا رکھے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی تنہا عبادت کرنے کے بجائے وہ بتوں کی عبادت کرتے تھے، حالانکہ وہ اس بات کو مانتے تھے کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لیکن ساتھ میں یہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے اختیار مختلف دیوتاؤں کے سپرد کردیئے ہیں۔ کوئی اختیار ''لات'' کو دیدیا، کوئی اختیار ''عزیٰ'' کو دیدیا، کوئی اختیار ''منات'' کو دیدیا۔ کوئی اختیار ''ھُبل'' کو دیدیا۔ اس طرح انہوں نے مختلف بت بنا رکھے تھے، اور ان کے مختلف نام رکھے ہوئے تھے، چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے اختیارات ان بتوں کو مل گئے ہیں ___ لہٰذا ان کی عبادت کرو۔ تو یہ بت تمہیں رزق دیں گے، یہ بت تمہیں اولاد دیں گے۔ یہ تمہاری مرادیں پوری کریں گے۔ یہ تمہاری مشکلات دور کریں گے، وہ لوگ ان بتوں کے آگے سجدے کرکے اور ان کو اپنا معبود بنا کر یہ سمجھتے تھے کہ دنیا کی راحت دینے والے یہ بت ہیں ___ قرآن

کریم ایسے لوگوں کو ''مشرکین'' کہتا ہے، حالانکہ حقیقت میں اہل کتاب بھی مشرک تھے، کیونکہ انہوں نے اللہ کی عبادت میں حضرت عیسی u کو شریک ٹھیرا دیا تھا، لیکن وہ لوگ فی الجملہ آسانی کتاب کو بھی مانتے تھے، اس لئے قرآن کریم نے ان کو ''اہل کتاب'' سے لفظ تعبیر فرمایا، اور جو بت پرست تھے، اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت سے خداؤں کو اپنا معبود بنایا ہوا تھا، ان کو قرآن کریم اپنی اصطلاح میں ''مشرکین'' کہتا ہے۔

دونوں کی ہدایت کیلئے آپ کو بھیجا

سورۃ بینہ کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ دونوں قسم کے کافر، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، اور چاہے وہ مشرکین میں سے ہوں اور بت پرست ہوں، یہ دونوں اپنی گمراہی میں اتنے غرق ہو چکے تھے، اور اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ ان کا راہ راست پر آنا ممکن نہیں تھا جب تک نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ ایک روشن دلیل بن کر ان لوگوں کے سامنے نہ آئیں، اس لئے ہم نے نبی کریم ﷺ کو بھیجا۔

آپ پوری انسانیت کیلئے آئے تھے

اس آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے، وہ پوری انسانیت کے لئے آئے، اور ہر قسم کی گمراہی اور ہر قسم کے کفر کے خاتمے کے لئے اور ہر قسم کے کافروں کو ہدایت دینے کے لئے دنیا میں

تشریف لائے ـــ کیوں؟ـــ اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے جو پیغمبر ہوتے تھے، ان کو خاص قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا، مثلاً حضرت موسیٰ u بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے، اور ان کے ذمے ان کی ہدایت کا کام سونپا گیا تھا، اسی طرح قوم عاد کی طرف حضرت ھود u کو بھیجا گیا تھا۔ قوم ثمود کی طرف حضرت صالح u کو بھیجا گیا، ان کی جو ذمہ داریاں تھیں، وہ صرف ان کی قوم کی حد تک محدود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ہی زمانے میں کئی کئی پیغمبر بھیجے جاتے تھے ـــ ایک پیغمبر کو ایک قوم کی طرف بھیجا گیا، اور اسی زمانے میں دوسرے پیغمبر کو دوسری قوم کی طرف بھیجا گیا۔ اسی زمانے میں تیسرے پیغمبر کو کسی تیسری قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا، اس طرح پیغمبر اس قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ اس طرح ہر پیغمبر اس قوم کے لئے پیغمبر ہوتا تھا جس کی طرف اس کو بھیجا گیا۔

آپ کی نبوت قیامت تک کیلئے ہے

لیکن جب نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تو آپ کی رسالت، آپ کی نبوت، آپ کا پیغام، آپ کی دعوت کا دائرہ کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، بلکہ پوری دنیا کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ـــ چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ (سورۃ سباء:۲۸)

کہ ہم نے آپ کو سارے انسانوں کی طرف خوشخبری دینے والا اور

ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ـــــ اس وجہ سے آپ کی ذات بالا صفات پر نبوت کا سلسلہ ختم ہونا تھا۔ آپ سے پہلے جتنے انبیاء کرام q تشریف لائے جو ایک روایت کے مطابق کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار تھے، اس سلسلہ نبوت کا اختتام نبی کریم ﷺ پر ہونا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کو ایسا پیغمبر اور ایسا نبی بنا کر بھیجا گیا جو پوری دنیا کے لئے اور پوری انسانیت کے لئے عام تھا۔ تا کہ آپ کا پیغام قیامت تک ساری دنیا کے لئے واجب العمل ہو جائے، اور آپ کے اوپر ''قصرِ نبوت'' کی تکمیل ہو جائے۔

محل نبوت کی آخری اینٹ

ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت شاندار محل ہو، اور وہ محل پورا اور مکمل بنا ہوا ہو، لیکن اس ''محل'' میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو، اس ایک اینٹ کے نہ لگنے کی وجہ سے وہ پورا محل نامکمل نظر آ رہا تھا، اب جو لوگ اس محل کی زیارت کے لئے اور اس کو دیکھنے کے لئے آتے، وہ یہ کہتے کہ یہ ''محل'' تو بہت اچھا بنا ہوا ہے، لیکن اس جگہ پر ایک اینٹ موجود نہیں ہے، جس کی وجہ سے پورا ''محل'' نامکمل نظر آ رہا ہے، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ ''محل'' نبوت کا محل ہے، اور وہ آخری اینٹ جس کی جگہ خالی ہے، وہ میں ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس اینٹ کے ذریعہ ''محل نبوت'' کی تکمیل فرمادی ـــــ

آپ e کا پیغام سب کیلئے تھا

بہر حال! آپ ﷺ کو ساری دنیا کے لئے اور ساری انسانیت کے لئے بھیجا گیا، اس آیت میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ لوگ چاہے اہل کتاب ہوں، چاہے مشرکین ہوں، اور مشرکین عرب میں بھی تھے، اور عرب سے باہر دنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی تھے، اسی طرح اہل کتاب عرب میں بھی تھے، اور زیادہ تر عرب سے باہر تھے، ان سب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ سارے کافر لوگ، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، اور چاہے وہ مشرکین میں سے ہوں، کسی بھی جگہ رہنے والے ہوں، کسی بھی قوم سے ہوں، کسی بھی نسل سے تعلق رکھتے ہوں، وہ سب ایسے تھے کہ جب تک ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی صورت میں ایک روشن دلیل نہ آجاتی اس وقت تک وہ راہِ راست پر آنے والے نہیں تھے، اس لئے ہم نے نبی کریم ﷺ کو بھیجا، اور آپ ﷺ کا پیغام یکساں طور پر اہل کتاب کے لئے بھی تھا، اور مشرکین کے لئے بھی تھا۔

اہل کتاب کیلئے آپ e کا پیغام

اہل کتاب کے لئے پیغام یہ تھا کہ تم اگرچہ اللہ کے سچے رسول کو ماننے والے ہو اور اگرچہ تم اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب کو ماننے والے ہو۔ لیکن تم نے اس کے پیغام میں اور اس کی کتاب میں تبدیلیاں کر دی ہیں، اور جو توحید والا دین وہ لے کر آئے تھے، وہ تم نے بدل کر رکھ دیا ہے ـــــ لہٰذا اب دوبارہ اس

بات کی طرف لوٹو جو تمہارے پیغمبروں نے تمہیں بتائی تھی اور ان پیغمبروں نے اپنی کتابوں میں اور اپنے ارشادات میں اپنی قوم کو یہی بتایا تھا کہ نبی آخرالزماں نبی کریم ﷺ تشریف لانے والے ہیں اور ان پر بھی تم کو ایمان لانا ہوگا۔ یہ ساری باتیں ان کو بتائی تھیں، لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ تم نبی آخرالزماں کو تسلیم کرو اور اپنی گمراہیوں سے باز آجاؤ۔

مشرکین کیلئے آپ کا پیغام

اسی طرح مشرکین کو اور خاص طور پر عرب کے مشرکین کو یہ پیغام دینا تھا کہ اگرچہ وہ کسی پیغمبر کے قائل نہیں تھے، اور آخرت کے قائل نہیں تھے، لیکن حضرت ابراہیم u کو مانتے تھے، کیونکہ سارے عرب کے لوگ حضرت ابراہیم u کی اولاد سے پیدا ہوئے ہیں، اس لئے وہ ان کو مانتے تھے کہ وہ بڑے مقدس بزرگ تھے، ان مشرکین کو پیغام دینا تھا کہ تم اپنے جدامجد حضرت ابراہیم u کو تسلیم کرتے ہو۔ لیکن ان کا توحید والا جو دین تھا، اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والا دین تھا، ایک اللہ کی عبادت کرنے والا دین تھا، اسی دین کو تم نے چھوڑ رکھا ہے، آج میں تمہارے لئے یہ پیغام لے کر آیا ہوں کہ اس دین کی طرف واپس آجاؤ۔

حضور e کی ذات روشن دلیل

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس ضرورت کے تحت ہم نے نبی

کریم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا۔ چنانچہ فرمایا:

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١

یعنی یہ کافر لوگ چاہے اہل کتاب میں سے ہوں، چاہے مشرکین میں سے ہوں، یہ اپنی گمراہی سے باز آنے والے نہیں تھے، جب تک کہ ان کے سامنے ایک روشن دلیل نہ آجاتی، اور وہ روشن دلیل کیا ہے، اس کا بیان اگلی آیت میں فرمایا کہ:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣

وہ روشن دلیل انسانیت کے محسن اعظم رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں، جو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے، جو ان کے سامنے پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور ان پاکیزہ صحیفوں میں قیمتی اور سچی تحریریں موجود ہیں۔ ایسی کتاب ان کو پڑھ کر سناتے ہیں، اگر ایسے رسول ان کے پاس نہ آتے تو وہ ہمیشہ گمراہی میں مبتلا رہتے۔

وہ لوگ ہدایت پاگئے

چنانچہ جن لوگوں کے دلوں میں طلب حق کا مادہ تھا، اور جو لوگ اس روشن دلیل کے آنے کے بعد اس کی اتباع کا جذبہ رکھتے تھے، نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کے نتیجے میں ان کی زندگیوں میں انقلاب آگیا۔ اور وہ لوگ جو

گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، یا مشرکین میں سے ہوں، جب ان کے پاس روشن دلیل آگئی تو انہوں نے اس روشن دلیل کو تسلیم کیا، اور تسلیم کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کے دین کو مانا، اس کے احکام کی پیروی کی، اور اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اتباع میں اپنی زندگیاں صرف کیں ___ جس کے نتیجے میں سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت کا مقصد ان صحابہ کرام [کے ذریعہ پورا ہوا۔ جو آپ کی بعثت سے پہلے گمراہی میں پڑے ہوئے تھے، لیکن آپ ﷺ کی تشریف آوری کے بعد، آپ کی باتیں سننے کے بعد، آپ پر نازل کی ہوئی کتاب پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کا ایک روشن چراغ بنا دیا۔

صحابہ [ستارے بن گئے

ان صحابہ کرام [کو ایسا چراغ بنا دیا کہ ایک حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أصحابي كالنجوم بأيهم اقتديتم اهتديتم

میرے صحابہ [ستاروں کی طرح ہیں۔ ان میں سے تم جس کی بھی اقتداء کرلو گے، ہدایت پر آجاؤ گے، ایسے انسان پیدا کر دیے ___ تو سرکار دو عالم ﷺ کی بعثت کا مقصد اس آیت میں بیان فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجے میں جن لوگوں کی ہدایت عطا فرمائی، اس سے آپ کی بعثت کا مقصد پورا ہو گیا۔

اگلی آیات اگلے جمعہ میں

لیکن اگلی آیتوں میں ان لوگوں کا بیان ہے جنہوں نے سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیم، تربیت، تبلیغ، دعوت اور پیغام کو ہٹ دھرمی کی وجہ سے، ضد کی وجہ سے، اور عناد اور حسد کی وجہ سے نہیں مانا، ان لوگوں کا بیان اگلی آیات سے شروع ہو رہا ہے ___ اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی دی تو ان کا بیان اور اسکی تفصیل اگلے جمعہ کو عرض کروں گا۔ انشاء اللہ

تلاوت کا صحیح مفہوم

جس آیت کی تفسیر میں نے عرض کی، اس آیت میں دو باتیں ہمارے لئے سبق کی ہیں۔ ایک بات یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی سنت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢

یعنی وہ اللہ کے رسول پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتے ہیں، یعنی قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، قرآن کریم پڑھنے کو ''تلاوت'' کہتے ہیں، ویسے تو عربی زبان میں پڑھنے کے لئے ایک اور لفظ ''قرأت'' آتا ہے، ''قرأت'' کے معنی ہیں ''پڑھنا'' لیکن قرآن کریم کو پڑھنے کے لئے قرأت کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ''تلاوت'' کا لفظ استعمال کیا ___ اور عرف میں بھی قرآن کریم پڑھنے کے لئے ''تلاوت'' کا ہی لفظ استعمال ہوتا ہے، کسی اور کتاب کے

پڑھنے کو تلاوت نہیں کہتے، کیوں؟ اس لئے کہ تلاوت کا مفہوم عربی زبان میں یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی چیز لکھنے والے کی تلقین کے مطابق پڑھے، یعنی جس نے وہ تحریر لکھی ہے، اس نے جس طرح پڑھنے کو کہا ہے، اس طرح پڑھے، تب وہ تلاوت کہلائی گی، اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے پڑھتا چلا جائے تو وہ تلاوت نہیں ہوتی، وہ قرآت ہوتی ہے ___ لہٰذا تلاوت کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کریم اس طرح پڑھنا جس طرح اللہ تعالیٰ نے پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔

ورنہ تلاوت نہیں کہلائے گی

سورۃ القیامۃ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے فرمایا:

فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥO (سورۃ القیامۃ:١٨)

کہ جب ہم تمہارے پاس قرآن کریم کی تلاوت کریں یعنی ہمارا فرشتہ تلاوت کرے تو پھر تم اس کی تلاوت کی اتباع کرو، یعنی جس طرح فرشتہ پڑھ رہا ہے، اسی طرح تمہیں پڑھنا ہوگا ___ لہٰذا ''تلاوت'' کے معنی ہوئے کہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھنا جس طرح وہ نازل ہوا، اور جس طرح جرائیل امین u نے نبی کریم ﷺ کے سامنے پڑھا، اور جس طرح نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام [کو پڑھ کر سنایا، اس طرح پڑھیں گے تو وہ ''تلاوت'' ہوگی، اور اگر اس سے ہٹ کر کسی اور طریقے سے پڑھیں گے تو وہ تلاوت نہیں کہلائیگی، وہ لفظی معنی کے اعتبار سے قرأت ہوگی۔

نماز میں اور خارج نماز اسی انداز سے تلاوت واجب ہے

اس سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ ہم لوگوں کو جب قرآن کریم پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، چاہے نماز میں یا نماز سے باہر، تو وہ محض اس طرح نہیں کہ جس طرح چاہا پڑھ لیا۔ بلکہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ قرآن کریم کو اس طرح پڑھے جس طرح جبرئیل امین u نے نبی کریم ﷺ کو سکھایا، اور نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام [کو سکھایا، یعنی ہر حرف کو اسی مخرج سے ادا کیا جائے، اور اسی طرح ادا کیا جائے جس طرح جبرئیل امین u نے ادا کیا، اور جس طرح نبی کریم ﷺ نے ادا کیا۔

س، ث اور ص میں فرق کریں

اس کی مثال یوں سمجھئے جیسے کہ عربی زبان میں 'س' 'ث' 'ص' یہ تین حروف ہیں، ان تینوں کی آواز ملتی جلتی ہے، لیکن تینوں میں بڑا فرق ہے، 'س' کسی اور طرح سے پڑھا جاتا ہے، 'ث' نرمی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، 'ص' موٹا کر کے ادا کیا جاتا ہے۔ اب ہم جو ہندوستانی پاکستانی لوگ ہیں، جب قرآن کریم کو اپنے طور پر پڑھتے ہیں تو ان تینوں میں فرق نہیں کرتے، اگر اس طرح قرآن کریم پڑھا جائے تو یہ تلاوت نہیں کہلائے گی ___ لہٰذا ہر مسلمان کے ذمے یہ سیکھنا ضروری ہے کہ 'س' کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ اور 'ث' کس طرح ادا کیا جاتا ہے، اور 'ص' کس طرح ادا کیا جاتا ہے۔

ز،ض،ظ میں فرق کریں

اسی طرح 'ز' اور 'ذ' ہے، 'ظ' اور 'ض' ہے۔ ان چاروں کی ملتی جلتی آوازیں ہیں۔ لیکن اگر ان سب کو ایک ہی طریقے سے پڑھا جائے تو اس کو تلاوت نہیں کہیں گے، بلکہ بعض اوقات معنی بدل جائیں گے، عربی زبان میں اگر 'ز' کی جگہ 'ذ' پڑھ دیا، یا 'ظ' کی جگہ 'ض' پڑھ دیا یا 'س' کی جگہ 'ث' پڑھ دیا 'ث' کی جگہ 'س' پڑھ دیا، تو اس سے معنی بھی بدل جائیں گے۔ اس لئے قرآن کریم کی تلاوت کو صحیح طریقے سے ادا کرنا، اور اس کو سیکھنا ہر مسلمان کے ذمے واجب ہے، اگر کسی نے صحیح نہ سیکھا ہو، اور وہ نماز میں سورۃ فاتحہ یا کوئی دوسری سورت پڑھے گا تو بعض اوقات نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ نماز ہی نہیں ہوتی، لہٰذا مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ہر حرف کو صحیح طور پر ادا کرنے کا طریقہ سیکھے۔

مشق کے ذریعہ تلاوت کو تلاوت بنائیں

اور یہ کوئی اتنا لمبا چوڑا مسئلہ نہیں ہے، پورے قرآن کریم میں جو حروف استعمال ہوئے ہیں، وہ کل ۲۹ ہیں اور ان ۲۹ حروف میں سے بہت سے حروف ایسے ہیں، جن کی ادائیگی میں کوئی مسئلہ نہیں، اور کوئی مشکل نہیں آتی، جیسے 'ب' ہے 'م' ہے 'ل' ہے، البتہ چند حروف ایسے ہیں، جن کو سیکھنے کی ضرورت ہے، اور کسی جاننے والے سے باقاعدہ مشق کی ضرورت ہے، اگر فرض کرو کہ ۲۹ حروف کی مشق کرنی ہے تو روزانہ ایک حرف کی مشق کرلو، تو ۲۹ دن میں پورا قرآن کریم صحیح

ہو جائے گا، لیکن چونکہ اس طرف توجہ نہیں ہے، دھیان اور فکر نہیں ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ ایسا کرنا واجب ہے، اس وجہ سے قرآن کریم کو غلط طریقے سے پڑھتے ہیں، اور غلط پڑھنے کے نتیجے میں تلاوت کی برکات سے محروم ہیں ____ بہر حال! اس آیت سے ایک سبق تو ہمیں یہ مل رہا ہے کہ ہم اپنی تلاوت کو واقعی تلاوت بنائیں۔

اللہ کا شکر ادا کریں

دوسری بات یہ ہے کہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ روشن دلیل جو نبی کریم ﷺ کی شکل میں عطا فرمائی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کے ماننے والوں میں ہمیں شامل کر دیا اور اس گروہ میں شامل نہیں کیا، جس نے اس روشن دلیل سے انکار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کیا جائے، کم ہے اور اس شکر کا حق یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی تعلیمات کو اپنی زندگی کے اندر اپنائیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ○

✿✿✿

✿

انسانوں کی تین قسمیں

(تفسیر سورۃ بینہ)

3

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانوں کی تین قسمیں

تفسیر سورۃ البینۃ

3

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا. مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ. وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ. وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۵ تا ۷)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، رمضان المبارک سے پہلے میں نے سورۃ البینۃ کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع کیا تھا، اور اس سلسلے میں دو بیانات الحمد للہ ہو چکے ہیں، اس سورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کی وجہ بیان فرمائی ہے ___ سورت کے شروع میں یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں جتنے لوگ کافر تھے، وہ چاہے اہل کتاب سے تعلق رکھتے ہوں، یعنی یہودی یا نصرانی ہوں، یا بت پرست ہوں، جن کو مشرکین کہا گیا ہے، یہ اس وقت تک اپنے کفر اور گمراہی سے باز آنے والے نہیں تھے، جب تک کہ ان کے سامنے کوئی روشن دلیل نہ آجاتی، وہ روشن دلیل کیا ہے؟ وہ ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۙ فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبر جو ان کے سامنے پاکیزہ صحیفے تلاوت کرکے سناتے، جس میں سیدھی اور سچی باتیں تحریر میں لکھی ہوئی موجود ہیں۔

اس آیت کے ذریعہ یہ بتایا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری کے بغیر یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں تھے، اور اپنی گمراہیوں سے باز آنے والے نہیں تھے۔ اور جب رسول کریم ﷺ کو پیغمبر بنا کر دنیا میں بھیج دیا گیا تو اس کے نتیجے میں انسانوں کے دو گروہ ہوگئے، ان دو گروہوں کا بیان ان آیات میں کیا گیا ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کیں، یعنی ایک گروہ وہ تھا جو نبی کریم ﷺ کی تشریف آوری کے باوجود اور آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت کی روشن دلیلیں ان کے سامنے آجانے کے باوجود وہ ضد کی وجہ سے، حسد کی وجہ سے، ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی گمراہی پر قائم رہا، اور ایمان نہیں لایا، اور ایک گروہ وہ تھا جو پہلے گمراہی میں مبتلا تھا، لیکن جب نبی کریم ﷺ نے قرآن کریم کی شکل میں اور اپنے ارشادات کی شکل میں روشن دلیلیں ان کے سامنے پیش کیں تو وہ اپنی گمراہی سے باز آگئے، اور ایمان لاکر انہوں نے اپنی زندگی کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کے مطابق استوار کرلیا۔

دو گروہ میں تقسیم ہوگئے

جو لوگ اپنے کفر پر قائم رہے، چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں، یعنی یہودی اور نصرانی ہوں، یا مشرکین میں سے ہوں، یعنی بت پرست ہوں، ان کے

بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۶﴾

وہ لوگ جہنم کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، اور یہ لوگ اپنے کفر پر قائم ہیں، وہ تمام مخلوقات میں سب سے بدترین لوگ ہیں ____

اور اگلی آیت میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۷﴾

کہ جو لوگ ایمان لائے، اور نیک اعمال کئے، یہ لوگ تمام مخلوق میں سب سے بہتر لوگ ہیں ____

دونوں گروہوں میں موازنہ

دونوں گروہوں کا موازنہ کرکے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمادیا کہ جو کافر ہیں، وہ بدترین مخلوق ہیں، اور وہ آخرت میں جہنم کے عذاب میں ہوں گے، اور ہمیشہ اس میں رہیں گے، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے عملِ صالح بھی کئے ہیں، نیک کام بھی کئے ہیں۔ وہ بہترین مخلوق ہیں، اور وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

بعض کافر بھی تو نیک کام کرتے ہیں؟

یہاں ایک سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں تمام کافروں

کو جو اسلام نہیں لائے، ان کو بدترین مخلوق قرار دیا، اور جو ایمان لائے ہیں اور
عمل صالح کئے ہیں، ان کو بہترین مخلوق قرار دیا ہے، ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا
ہے کہ بہت سے کافر ایسے ہیں جو ایمان تو نہیں لائے، لیکن عام زندگی میں ان کے
طور طریقے، ان کے کام بعض اوقات بہت اچھے بھی نظر آتے ہیں، بہت سے لوگ
جو غیر مسلم ہیں، وہ فلاحی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں،
بیماروں کی تیمارداری کرتے ہیں، اور انسانیت کی بھلائی کے کاموں میں بہت پیسہ
خرچ کرتے ہیں، اور ان کے بہت سے کام ظاہری اعتبار سے بہت اچھے معلوم
ہوتے ہیں۔

ان کے مقابلے میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جو ایمان تو لے آئے
ہیں، لیکن وہ مسلمان ان اچھے کاموں میں ان غیر مسلموں کے برابر نظر
نہیں آتے، جبکہ ان آیات میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ جو کافر ہیں، وہ بدترین مخلوق
ہیں اور جو ایمان والے ہیں وہ بہترین مخلوق ہیں ____ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی
کہ کافروں کے تمام اچھے کاموں پر پانی پھیر کر یہ فرمایا گیا ہے کہ وہ بدترین
مخلوق ہیں۔

کافر درحقیقت کفر کی وجہ سے وفادار نہیں

اس سوال کے جواب کو اچھی طرح سمجھ لینے کی ضرورت ہے ____ بات
دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام مخلوق پیدا کی ہے، اور تمام انسان بھی پیدا
کئے ہیں، اب جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر، اس کے خالق اور مالک ہونے پر

ایمان رکھتا ہے وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا معاملہ کرتا ہے، اور جو شخص
کفر کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی کرتا ہے، کیونکہ جس اللہ تعالیٰ نے
اس کو پیدا کیا۔ جس نے اس کی پرورش کی، اور جو اس کو رزق دیتا ہے، اور جو اس
کو دنیا کے اندر بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے، اس اللہ کے بارے میں کافر نے
یہ کہہ دیا کہ ہم آپ کو نہیں مانتے، یا اگر مانتے ہیں تو اس کے ساتھ دوسروں کو بھی
شریک ٹھہراتے ہیں، اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے سے انکار کرتے ہیں، تو یہ
لوگ بے وفا ہیں، اللہ تعالیٰ کے وفادار نہیں ہیں۔

وہ نوکر جو آقا کو آقا ماننے سے انکار کرے

اور اس دنیا میں سب سے زیادہ قیمت وفاداری کی ہے، اس کو ایک سادہ
مثال سے سمجھیئے، فرض کرو ایک شخص کا ایک نوکر ہے، وہ شخص اس نوکر کو تنخواہ دیتا
ہے، اس کو کھانا دیتا ہے، اس کو رہائش دے رکھی ہے، اس کے کپڑوں کا انتظام
کرتا ہے، لیکن وہ نوکر اس آقا کو آقا ماننے پر تیار نہیں، اس کی بات نہیں مانتا، آقا
اس کو کھانا دیئے جارہا ہے، مگر وہ نوکر کہتا ہے کہ یہ کھانا مجھے آقا نہیں دے رہا ہے،
بلکہ مجھے کوئی اور دیتا ہے، اور دوسروں کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہے، اب یہ نوکر
دوسروں کے ساتھ بہت اچھا بنتا ہے۔ دوسروں سے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ
ملتا ہے، دوسروں پر جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ان کی مدد بھی کرتا ہے۔ اگر
دوسروں کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے ازالے کی کوشش بھی کرتا ہے، اگر دوسرا
کوئی بیمار ہوجاتا ہے تو اس کی تیمارداری بھی کرتا ہے، بظاہر دوسرے لوگوں کے

ساتھ اس کے اخلاق اور سارے معاملات بہت اچھے ہیں، لیکن وہ اپنے آقا کو آقا ماننے سے انکار کرتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ مجھے تنخواہ یہ نہیں دیتا۔ میرے پاس تنخواہ کسی اور جگہ سے آتی ہے۔ رزق مجھے یہ نہیں دیتا، بلکہ کوئی اور دیتا ہے، لباس مجھے یہ نہیں پہناتا، کوئی اور پہناتا ہے، اور وہ آقا ایسا مہربان ہے کہ مسلسل اس نوکر کو اس کے انکار کے باوجود ہر چیز دیئے جارہا ہے، رزق دیئے جارہا ہے، کھانا بھی دے رہا ہے، لباس بھی فراہم کررہا ہے، ہر چیز دے رہا ہے، لیکن وہ نوکر اس آقا کو آقا ماننے سے انکار کررہا ہے۔

دوسرا نوکر جو آقا کو آقا تسلیم کرتا ہے

اور ایک نوکر وہ ہے جو آقا کی بات مانتا ہے، اور آقا کو اپنا آقا تسلیم کرتا ہے، اور یہ بھی کہتا ہے کہ مجھے سب کچھ یہی دیتا ہے، اور فی الجملہ اس کا احسان بھی مانتا ہے اور ساتھ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتا ہے۔ اب تم خود ہی دونوں نوکروں کے درمیان توازن کرکے بتاؤ کہ کونسا نوکر اچھا کہلانے کا مستحق ہے؟ یہ تو نوکر کی بات ہے۔

انسان اللہ کا بندہ ہے

انسان نوکر نہیں، غلام نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا ہے۔ یہاں دنیا میں آقا نوکروں کو پیدا نہیں کرتے، نہ اس کے رزق کا ذمہ دار ہوتا ہے، بلکہ مہینے کے ختم ہونے پر اس کو صرف تنخواہ دیدیتا ہے۔ لیکن اللہ

تعالیٰ تو تمام انسانوں کا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، رازق بھی ہے، اگر کوئی انسان یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا، اور مجھے رزق اللہ تعالیٰ نہیں دیتا، بلکہ فلاں دیوتا دیتا ہے، یا فلاں مخلوق کی میں عبادت کرتا ہوں، اس کو اپنا خدا مانتا ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدترین بے وفائی ہے، اپنے خالق اور مالک اور اپنے منعم کے ساتھ بے وفائی ہے، جس ذات نے اس پر اپنی نعمتوں کی بارش کررکھی ہے، اگر اس ذات کو ماننے سے انکار کرے، یا اس کی بات ماننے سے انکار کرے، اور کسی دوسرے کی عبادت کرے، تو اس سے بڑھ کر بے وفائی اس کائنات میں کوئی اور نہیں ہوسکتی۔

اسکی بے وفائی نے پانی پھیر دیا

لہٰذا اگر ایسا انسان دوسروں کے ساتھ اچھائی کررہا ہے، بیشک وہ اس کے اچھے کام ہیں۔ لیکن اس کی بے وفائی نے ان ساری اچھائیوں پر اس طرح پانی پھیر دیا ہے کہ وہ ''أُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۞'' کا مصداق بن گئے ہیں اور وہ تمام مخلوق میں بدترین مخلوق ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اللہ جل شانہ کے ساتھ بے وفائی کی ہے۔

کافروں کو اچھے کاموں کا بدلہ

البتہ انہوں نے جو اچھے کام کئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اچھے کاموں کا بدلہ اس دنیا ہی میں عطا فرمادیتے ہیں، اگرچہ یہ دنیا ''دارالعمل'' ہے،

''دارالجزاء'' نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو ''اسباب'' کی بنیاد پر چلایا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کافر بھی اچھا کام کر رہا ہے تو اس کے اچھے کام کا بدلہ اس کو دنیا ہی کے اندر مل جائے گا، اور اس کی وجہ سے وہ دنیا میں ترقی بھی کر سکتا ہے، چنانچہ آج دنیا میں بہت سے غیر مسلم ترقی کر رہے ہیں، وہ ترقی ان کو ان کے اچھے کاموں کی وجہ سے مل رہی ہے جو انہوں نے دنیا میں کئے ہیں۔

آخرت میں کوئی بدلہ نہیں ملیگا

لیکن جہاں تک آخرت کا تعلق ہے، تو آخرت میں اچھے کام اس وقت قابل قبول نہیں، جب تک وہ کام اللہ تعالیٰ وفاداری کے ساتھ نہ کئے ہوں۔ لہٰذا آخرت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾ (الفرقان: ۲۳)

یعنی انہوں نے دنیا میں جو کام کئے تھے، وہ آخرت میں گرد وغبار کی طرح اڑ جائیں گے ___ بس دنیا میں ہم نے ان کے عمل کا صلہ دیدیا جیسا حدیث شریف میں فرمایا کہ:

أُولٰئِكَ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

کہ ان کے اچھے کاموں کے جو بدلے تھے، وہ ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی کے اندر دیدئے، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے ___ اس لئے فرمایا کہ وہ آخرت میں جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

وہ بہترین مخلوق ہیں

جو لوگ ایمان لے آئے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿۷﴾

کہ جو لوگ ایمان بھی لائے، اور عمل صالح بھی کئے، نیک کام بھی کئے، وہ بہترین مخلوق ہیں ___ دیکھئے: کافروں کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ وہ بدترین مخلوق ہیں، ان کے ساتھ یہ قید نہیں نہیں لگائی کہ انہوں نے برے کام بھی کئے ہوں، بلکہ محض ان کے کفر کی بنیاد پر فرمایا کہ وہ بدترین مخلوق ہیں۔ چاہے اچھے کام کئے ہوں، یا برے کام کئے ہوں۔ اگر انہوں نے اچھے کام کئے ہیں تو ان کا صلہ ان کو دنیا میں مل جائے گا، اس کے باوجود وہ آخرت کے لحاظ سے وہ بدترین مخلوق ہیں، لیکن ایمان والوں کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ جو صرف ایمان لے آئیں گے تو وہ بہترین مخلوق ہو جائیں گے، بلکہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید بھی لگادی کہ وہ ایمان بھی لائے، اور نیک عمل بھی کئے تو پھر وہ بہترین مخلوق ہیں، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا عہد بھی کیا اور اس عہد کو عمل صالح کے ذریعہ نبھایا اور اس کو پورا کیا۔

''ایمان لانا'' وفاداری کا ایک عہد ہے

''ایمان لانا'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کا ایک عہد ہے کہ اے اللہ!

ہم آپ کو اپنا خالق اور مالک مانتے ہیں۔ "لَآ اِلٰہَ اِلا اللہ" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم ساری کائنات کا خالق اور مالک صرف ایک خدا کو مانتے ہیں، اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہیں، یہ ایمان لانا وفاداری کا ایک عہد ہے، جو بندہ اپنے خالق اور مالک کے ساتھ کرتا ہے۔ اس وفاداری کو نبھانے اور اس پر عمل کرنے کے لئے "عمل صالح" کی ضرورت ہے، لہٰذا آدمی ایمان بھی لائے، اور نیک عمل بھی کرے تو پھر وہ بہترین مخلوق ہے۔ کیونکہ اس نے ساری شرطیں پوری کردیں۔ وفاداری کو بھی پورا کیا اور اس کو خوب نبھایا____

انسانوں کی تین قسمیں

گویا کہ انسانوں کی تین قسمیں ہوگئیں۔ ایک وہ جو بدترین مخلوق ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے وفائی کی اور انہوں نے یا تو اللہ تعالیٰ کو معبود ہی نہیں مانا، یا اس کے ساتھ دوسرے معبود مان کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توہین کی، ایسے لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ چاہے وہ عمل کیسے بھی کرتے ہوں____ دوسری قسم وہ ہے جو ایمان بھی لائے اور نیک کام بھی کئے وہ بہترین مخلوق ہے، اور ان کے لئے آخرت میں اللہ تعالیٰ نے جنت تیار کر کے رکھی ہے____ اور تیسری قسم وہ ہے جو ایمان لائے لیکن عمل صالح نہیں کئے، گویا کہ اس نے وفاداری کا عہد تو کیا اور وفاداری کا اقرار بھی کیا، لیکن اس وفاداری پر اپنی زندگی میں عمل نہ کیا تو ایسے لوگ بہترین مخلوق نہیں ہیں____ چنانچہ انہوں نے جو برے کام کئے ہیں ان کی بدولت ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ ہر

مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے، آمین____ البتہ چونکہ وفادار تھے، اس لئے سزا بھگتنے کے بعد بالآخر اللہ تعالیٰ ان کو جہنم سے نکال کر جنت میں بھیج دیں گے____ بہرحال! انسانوں کی یہ تین قسمیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان فرمائی ہیں۔

اب ہر شخص اپنا جائزہ لے کر دیکھ لے کہ وہ کس قسم میں شامل ہونا چاہتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے فضل سے "خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ" میں شامل فرمادے۔ آمین۔ لیکن "خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ" میں اس وقت شامل ہوگا جب ایمان کے ساتھ ساتھ اس کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہوں گے____ اور اس کا بہترین پیمانہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کردیا، آپ کی سنت، آپ کی سیرت عمل صالح کا ایک نمونہ ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(سورۃ الاحزاب:۲۱)

اب ہر مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد اپنی ساری زندگی کے اندر نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اور آپ کی سنت کی پیروی کرے تو انشاء اللہ وہ شخص "اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝" میں شامل ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

✿

جنت اور اس کی صفات

(تفسیر سورۃ بینہ)

4

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

جنت اور اس کی صفات

تفسیر سورۃ البینۃ

4

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ

خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۷، ۸)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ بینہ کی آخری آیات ہیں، جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، اس سورت کی تشریح کا بیان گزشتہ چند جمعوں سے چل رہا ہے، اور ابتدائی آیات کی کچھ مختصر تشریح گزشتہ تین بیانات میں گزر چکی ہے، اس کا خلاصہ یہ تھا کہ حضور اقدس ﷺ کی دنیا میں تشریف آوری کا مقصد اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ بیان فرمایا کہ آپ ﷺ تمام دنیا کے سامنے ایک روشن دلیل لیکر آجائیں، جب وہ روشن دلیل آگئی تو پھر اس وقت انسانوں کے دو گروہ ہوگئے، ایک گروہ وہ تھا جس نے اس روشن دلیل کو تسلیم کیا، اور ایک گروہ وہ تھا کہ اس پر دلائل واضح ہو جانے کے باوجود نبی کریم ﷺ کی سچائی ثابت ہو جانے کے باوجود اسے ایمان لانے کی توفیق نہ ہوئی، بلکہ وہ اپنے کفر پر، اپنی سرکشی پر، اور اپنی گمراہی پر جما رہا، اس کا ذکر گزشتہ آیات میں تھا جس کا بیان گزشتہ جمعہ میں ہوگیا۔

یہ بہترین لوگ ہیں

دوسری طرف اللہ تعالیٰ اگلی آیات میں ان لوگوں کا بیان فرما رہے

ہیں جنہوں نے اس روشن دلیل کو تسلیم کیا اور تسلیم کرکے اس کے آگے سر تسلیم خم کیا، اور اس کی بیان کردہ ہدایات پر عمل کیا، ان کا ذکر ان آیات میں ہے جو میں نے آپ کے سامنے ابھی تلاوت کیں۔ چنانچہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ﴿۷﴾

یعنی بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، یہ لوگ ساری مخلوقات میں سب سے بہتر لوگ ہیں، یعنی وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان بھی لائے، اور ان تعلیمات کے مطابق اپنے اعمال کو درست بھی کیا اور نیک عمل کئے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ وہ ساری مخلوق میں سب سے بہترین لوگ ہیں۔

”بریۃ“ میں تمام مخلوق داخل ہیں

اس آیت میں لفظ ”اَلْبَرِیَّةِ“ استعمال فرمایا اور یہ لفظ تمام مخلوقات پر بولا جاتا ہے۔ ”بَرِیَّةٌ“ کے معنی ہیں ”مخلوق“، انسان بھی مخلوق ہیں، جنات بھی مخلوق ہیں۔ جانور بھی مخلوق ہیں، جمادات اور نباتات بھی مخلوق ہیں، یہاں تک فرشتے بھی مخلوق ہیں، اور جب ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے بارے میں یہ فرمایا کہ یہ ساری مخلوق میں سب سے بہتر مخلوق ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ جن کے اندر دو باتیں پائی جائیں۔ ایک ایمان، اور دوسرے نیک عمل، وہ مخلوق ساری کائنات کی تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

فرشتوں کا کوئی کمال نہیں

چنانچہ علماء اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ عام ملائکہ جو اس طرح پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کے اندر گناہ کرنے کا مادہ ہی نہیں رکھا گیا۔ ان کو نہ بھوک لگتی ہے، نہ پیاس لگتی ہے، اور نہ نفسانی خواہشات ان کے دل میں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے اگر وہ گناہ سے بچے رہیں تو اس میں ان کا کوئی خاص کمال نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا ہی اس انداز میں کیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا کہ فرمایا: فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ (سورہ شمس:۸)

کہ اس کے اندر گناہ کی خواہشات بھی ہیں، اور تقویٰ کی خواہشات بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرح پیدا کیا ہے۔

اس کا مقام فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے

اسی کے ذریعہ اس کی آزمائش ہے کہ اس کے اندر مادہ دونوں قسم کا ہے، وہ نیکی بھی کرسکتا ہے، گناہ بھی کرسکتا ہے، وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چل کر اپنے کو تباہ بھی کرسکتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرکے اپنے آپ کو کامیاب بھی بنا سکتا ہے، دو قسم کے مادّے اس کے اندر موجود ہیں۔ اس کے اندر گناہ کرنے کی خواہش پیدا ہو رہی ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں، اور نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں وہ اپنے آپ کو ان خواہشات سے بچاتا ہے، اور گناہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھتا ہے تو اس وقت اس کا مقام فرشتوں سے آگے بڑھ جاتا ہے۔

خاص ملائکہ انسانوں سے افضل ہیں

اس لئے عام مسلمان جو ایمان اور عمل صالح کی صفت سے آراستہ ہو، وہ عام ملائکہ سے افضل ہے ___ البتہ کچھ خاص ملائکہ ہیں، جیسے حضرت جبرئیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل o، اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کو انبیاء o کے پاس وحی لانے، اور انبیاء o کے ساتھ رابطہ رکھنے کا کام سونپا ہوا ہے، اور انہی کے ذریعہ درحقیقت ہم تک دین کے پیغام پہنچتے ہیں۔ اس لئے علماء اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل u وغیرہ تو عام مسلمانوں سے افضل ہیں، لیکن انبیاء o ان سے افضل ہیں، انبیاء o کا مقام ان سے بھی اعلیٰ ہے، اس لئے فرمایا کہ یہ بہترین مخلوق ہیں: أُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

سب سے بہترین خطاب اور تمغہ

یہ اللہ تعالیٰ نے کتنا بڑا خطاب دیدیا ہے، اور یہ کس کا دیا ہوا خطاب ہے؟ کسی معمولی بادشاہ کا دیا ہوا خطاب نہیں ہے، کسی ملک کا حکمران کسی کو کوئی تمغہ دیدیتا ہے، مثلاً کسی کو ’’تمغہ امتیاز‘‘ دیدیا، یا کسی کو ’’ستارہ امتیاز‘‘ دیدیا، وہ ساری دنیا میں ڈھنڈورا پیٹتا پھرتا ہے کہ دیکھو: مجھے اتنا بڑا اعزاز مل گیا، لیکن یہ انسانوں کے دیئے ہوئے اعزاز محدود علاقے میں ہی انسان کی نیک نامی کر دیتے ہیں، لیکن اس کے بعد اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی، اس سے انسان کو نہ کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے، نہ کوئی اور منفعت وہ اس کے ذریعہ حاصل کرسکتا ہے، لیکن یہ اتنا

بڑا تمغہ ’’احکم الحاکمین‘‘ کی طرف سے دیا جا رہا ہے، جو پوری کائنات کا خالق ہے، وہ فرما رہے ہیں کہ ہم تمہیں ’’خَيْرُ الْبَرِيَّةِ‘‘ ہونے کا تمغہ دیتے ہیں، تمام کائنات میں سب سے بہتر مخلوق ہونے کا تمغہ دیتے ہیں، بس دو باتیں ہیں، ان کو تم حاصل کرلو، ایک ایمان، اور ایک عمل صالح، اگر تم نے یہ دو کام کر لئے تو تم سب اس تمغہ کے حقدار ہو اور جب تم آخرت میں پہنچو گے، تب تمہیں اس ’’تمغہ‘‘ کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔

اس تمغہ کی قدر آخرت میں ہوگی

آج تمہیں اس دنیاوی زندگی میں اس ’’تمغہ‘‘ کی قدر و قیمت کا احساس نہیں ہے، لیکن جب یہ آنکھیں بند ہوں گی، اور تم جب قبر میں پہنچو گے، اور عالم آخرت تمہارے سامنے آئے گا، اس وقت تمہیں پتہ چلے گا کہ اس ’’تمغہ‘‘ کی کیا قدر و قیمت ہے ___ حقیقت تو یہ ہے کہ اس ’’تمغہ‘‘ کی پوری تفصیلات اور اس کے فوائد کی تفصیل پوری طرح یہاں ہماری سمجھ میں آ ہی نہیں سکتیں، البتہ اگلی آیت میں اس کی طرف تھوڑا سا اشارہ کر دیا ہے کہ اس تمغے کے نتیجے میں تمہیں کیا فائدہ ملے گا۔

ایسے لوگوں کا صلہ جنت کے باغات ہیں

چنانچہ آگے فرمایا:

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ

تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ

یعنی ایسے لوگوں کا صلہ ان کے پروردگار کے پاس ایسے باغات کی شکل میں ہوگا جو ہمیشہ رہنے والے ہوں گے، ''جَنّٰتٌ'' جمع ہے ''جَنَّةٌ'' کی، اور جنت عربی زبان میں باغ کو کہتے ہیں، لیکن قرآن کریم میں جمع کا صیغہ لایا گیا ''جَنّٰت'' یعنی بہت سے باغ ___ اب لفظ ''باغ'' سے ہمارے ذہنوں میں جو تصور آتا ہے، وہ ان باغات کا آتا ہے، جو دنیا کے اندر ہم نے دیکھے ہیں ___ اور ان دنیاوی باغات کا تو یہ حال ہے کہ وہ آج تو سرسبز و شاداب ہیں، اور آج دنیا میں ان کی شہرت ہے، لیکن چند سالوں کے بعد جب حالات پلٹ جاتے ہیں تو وہی باغات جھاڑ جھنکار میں تبدیل ہوجاتے ہیں، نہ جانے کتنے باغ ان آنکھوں نے ایسے دیکھے ہیں، کہ ایک زمانے میں ان کا حال یہ تھا کہ دنیا بھر سے لوگ ان باغات کو دیکھنے کے لئے آیا کرتے تھے، اور وہ باغات دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے، آج ان باغات کا یہ حال ہے کہ وہاں پر ببول کے کانٹے دار درخت اگے ہوئے ہیں، جھاڑ جھنکاڑ اگے ہوئے ہیں، اور وہ باغات ویران، سنسان اور غیر آباد پڑے ہوئے ہیں۔

ہمیشہ رہنے والے باغات

لاہور کا ''شالامار باغ'' دیکھئے، کسی زمانے میں اس کی کیسی رونق تھی، اور اس کی کیسی شہرت تھی، لیکن اب ویران پڑا ہوا ہے، اور دنیا کے قابل ذکر باغ میں اس کا شمار ہی نہیں ___ بہرحال! دنیا کے جو بھی باغات ہوں، چاہے وہ

چھوٹے ہوں، یا بڑے ہوں، لیکن کچھ عرصہ کے بعد، اور اپنی بہار دکھانے کے بعد وہ فنا ہوجاتے ہیں، اور ختم ہوجاتے ہیں ___ لیکن ایمان لانے والوں اور عمل کرنے والوں کو جو باغات دیئے جائیں گے ان کے بارے میں قرآن کریم کا فرمان ہے کہ:

جَنّٰتُ عَدۡنٍ

یعنی وہ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، وہ سدابہار ہیں۔ ان پر کبھی خزاں نہیں آئیگی، وہ کبھی جھاڑ جھنکاڑ میں تبدیل نہیں ہونگے، وہ ہر آن، ہر لمحے زندہ، پائندہ اور تابندہ رہیں گے، اور سرسبز اور شاداب رہیں گے۔

جنت کے پھلوں میں ترقی ہوتی رہیگی

بلکہ سورۃ البقرۃ میں ان باغات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ ان باغات میں بھی نوع بنوع ترقی ہوتی رہے گی ___ دنیا کے اندر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی باغ میں بہت شاندار پھل لگے ہوئے ہیں، بہترین پھول لگے ہوئے ہیں، آپ اس باغ ایک سال دو سال چار سال رہیں گے تو بار بار ایک ہی طرح کے پھل اور پھول دیکھ کر نگاہ بھر جائے گی، اور اس کو دیکھنے سے پہلے جو لطف آتا تھا، وہ لطف ختم ہوجائے گا ___ لیکن جنت کے باغات کی یہ صفت ہے کہ ہر آن اس کے اندر ترقی ہوتے رہے گی ___ چنانچہ سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ (سورۃ البقرۃ:۲۵)

کہ جب جنت والوں کو پھل دئے جائیں گے تو وہ ان دیکھ کہ یہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا تھا، یعنی دیکھنے میں وہ ایک جیسا لگے گا، لیکن حقیقت کے اعتبار سے اور اپنے ذائقے کے اعتبار سے، اپنی لذت اور حلاوت کے اعتبار سے وہ پہلے سے کہیں زیادہ بہتر ہوگا ____ اس سے معلوم ہوا کہ جنت کی نعمتیں اور لذتیں ایک حالت پر قائم نہیں رہیں گی، جس سے آدمی کا دل بھر جائے، بلکہ ان نعمتوں کے اندر ترقی ہوتی رہے گی ____ اور وہ ''جنت عدن'' ہیں، یعنی ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں، کبھی ان پر خزاں نہیں آئے گی۔ وہ کبھی مرجھائیں گے نہیں۔

باغات کے نیچے نہریں ہونگی

پھر آگے فرمایا:

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

یعنی ان باغات کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، آپ اندازہ کریں کہ ایک باغ ہے جو سرسبز و شاداب ہے، خوبصورت ہے، پھل پھول لگے ہوئے ہیں، اور وہ ایسی جگہ ہے کہ اس کے نیچے دریا بہہ رہے ہیں اور وہ دنیا کے دریاؤں کی طرح نہیں ہوں گے، جن میں کوڑا کباڑ بھی بہتا رہتا ہے، بلکہ وہ جنت کے دریا ہوں گے، جن کے پانی کے اوصاف یہ ہیں کہ:

اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ (سورہ محمد: آیت ۱۵)

یعنی ان دریاؤں کے پانی میں کبھی کوئی تغیر پیدا نہیں ہوگا، اور نہ ان کے اندر کبھی کوئی خرابی آئے گی، وہ ہر آن اور ہر لمحے تر و تازہ ہوں گے ____ وہ جنتیں ایمان والوں کو اور عمل صالح والوں کو عطا کی جائیں گی۔

وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

پھر فرمایا:

خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ۭ

اس دنیا کے اندر تم کتنا ہی عالیشان مکان بنالو، کتنی ہی عالیشان جگہ پر رہائش اختیار کرلو، جس کے قریب باغات ہوں، دریا ہوں، پہاڑ ہوں، بہترین منظر ہو، لیکن یہ کھٹکا ہر انسان کو لگا رہتا ہے کہ چند دن کے بعد یہ مکان چھوڑنا ہی پڑے گا، جوانی میں زندگی کے بڑے مزے لے رہے تھے، جب بڑھاپا آیا تو وہ مزے ختم ہوگئے اور ہر وقت یہ خیال لگا ہوا ہے کہ کسی دن یہ سب چھوڑ کر جانا ہوگا ____ لیکن جنت میں اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، اس لئے فرمایا: ''خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ۭ'' یعنی ان باغات میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، اور ان کو وہاں پر موت نہیں آئے گی۔ وہ زندگی بغیر کسی وقفے کے مسلسل قائم رہے گی۔ ''خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، لیکن اس کے ساتھ آگے یہ تاکید لگادی ''اَبَدًا ۭ'' یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس میں رہیں گے، نہ اس میں انسان بوڑھا ہوگا، نہ کوئی بیماری آئے گی، نہ کوئی

پریشانی لاحق ہوگی اور نہ وہاں سے نکالے جانے کا کوئی اندیشہ ہوگا____

اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا

آگے فرمایا:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ

اور سب سے بڑھ کر جو انعام دیا جائے گا ایسا انعام جس کی گہرائی اور وسعت کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے، وہ یہ ہے کہ ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ'' یعنی جب بندے جنت میں چلے جائیں گے تو اس وقت یہ صورت ہوگی کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا، اور اس بات کا کبھی کوئی احتمال نہیں کہ کسی وقت اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائیں گے____ اور یہ اہل جنت اللہ تعالیٰ سے راضی ہوگئے____ اس سے بڑھ کر نعمت اور کیا ہوسکتی ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے تو اس کے دل میں ہر وقت یہ کھٹکا رہتا ہے کہ میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے، فرمایا کہ وہاں جنت میں یہ کھٹکا دور ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ یہ اعلان عام فرمادیں گے کہ جتنے جنتی ہیں، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہیں، اور کبھی ان سے ناراض نہیں ہوگا، کبھی تمہاری کسی بات کو اللہ تعالیٰ اپنی ناراضگی کا سبب قرار نہیں دے گا____ اور سارے بندے اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جائیں گے کہ اے اللہ! آپ نے جو کچھ ہمیں دیا ہے، وہ اتنا عظیم ہے کہ اس میں ہماری ناگواری کا کوئی احتمال ہی نہیں____

یہ انعام خشیت والے کو ملے گا

بہرحال! ''خَيْرُ الْبَرِيَّةِ'' کا جو تمغہ دیا گیا تھا، اس کے انعامات یہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائے ہیں____ لیکن آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک جملہ فرمادیا جو درحقیقت ہم سب کی توجہ کا طالب ہے، اور جو درحقیقت جنت کے انعامات کی کنجی ہے، یعنی اگر ایمان اور عمل صالح والی صفتوں کو اگر حاصل کرنا ہے تو اس کا راستہ ہے

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ

یعنی یہ انعامات اس شخص کو ملیں گے جس کے دل میں اپنے پروردگار کی خشیت ہوگی، اور پروردگار کے سامنے پیش ہونے کا احساس ہوگا کہ مجھے ایک دن اپنے پروردگار کے سامنے پیش ہونا ہے، اور جب یہ بات دل میں ہوگی، تو یہی بات انسان کو عمل صالح پر آمادہ کرتی ہے، اور یہی درحقیقت جنت کی کنجی ہے____ بہرحال! یہ ان آیات کا خلاصہ ہے، اب چونکہ وقت ختم ہو چکا ہے، اس لئے اس کی مزید تفصیل اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو آئندہ بیانات میں جنتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو بات ارشاد فرمائی ہے اور آخر میں جنت کی جو کنجی بیان فرمائی ہے، اس کے بارے میں اور اس کو حاصل کرنے کے طریقے کے بارے میں ان شاء اللہ کچھ عرض کروں گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو جنت والے اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

جنت حاصل کرنے کیلئے خشیت اختیار کرو

(تفسیر سورۃ بینہ)

5

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

اور (اے نبی) تجھ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں اور جب مجھے پکارتے ہیں تو پکار سنتا ہوں

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

جنت حاصل کرنے کیلئے خشیت اختیار کرو

تفسیر سورۃ البینۃ

5

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ (سورہ بینہ، آیت ۷ تا ۸)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ بینہ کی آخری آیتیں ہیں جن کا بیان کچھ عرصہ سے چل رہا ہے۔ ان آیتوں میں اللہ تبارک نے یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کے وہ باغات تیار کرکے رکھے ہوئے ہیں۔ جن کے نیچے سے دریا اور نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، دنیا میں آدمی کتنی بھی اچھی جگہ پر رہائش اختیار کرلے، اور اسے دنیا کی کوئی بھی نعمت میسر آجائے، لیکن اس کو یہ کھٹکا ہر وقت لگا رہتا ہے کہ میرے لئے یہ مستقل رہائش گاہ نہیں ہے، مجھے کبھی نہ کبھی اس جگہ سے جانا ہوگا، اور اس بات کا بھی اندیشہ رہتا ہے کہ جو نعمتیں ملی ہوئی ہیں، وہ کسی وقت بھی چھن جائیں گی۔

دنیا میں ہر وقت موت کا کھٹکا موجود ہے

لیکن جنت کی زندگی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ'' کہ وہ اس جنت میں ہمیشہ زندہ رہیں گے، موت نہیں آئے گی،

یہاں تو ہر انسان، چاہے وہ مسلمان ہو، یا غیر مسلم ہو۔ اس کو اس بات کا یقین ہے کہ میں ایک نہ ایک دن اس دنیا سے ضرور جاؤں گا، کتنے دن مجھے دنیا میں رہنا ہے، یہ بھی معلوم نہیں، یہ بھی پتہ نہیں کہ کتنی زندگی ملے گی، ہر وقت موت کا کھٹکا موجود ہے، موت کے اسباب موجود ہیں، لیکن جنت کی زندگی میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ عظیم نعمت عطا فرمائی ہے کہ جب وہ نعمت ملے گی تو اس نعمت کے چھننے کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، وہ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

جنت میں موت نہیں آئیگی

اور اللہ تعالیٰ اس بات کو بیان کرنے کے لئے دو لفظ لائے، ایک لفظ "خٰلِدِیْنَ" یعنی ہمیشہ رہنے والے، دوسرے "اَبَدًا" جس کے معنی بھی یہ ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے، یعنی کبھی ان کو موت نہیں آئے گی ____ چنانچہ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب اہل جنت جنت میں چلے جائیں گے، اور اہلِ جہنم جہنم میں چلے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ موت کو ایک دنبے کی شکل میں سب کے سامنے لائیں گے، اور اس دنبے کو ذبح کر دیں گے، اور یہ اعلان فرمائیں گے کہ "آج موت کو موت آگئی" یعنی اب کسی کو موت نہیں آئے گی، نہ اہل جنت کو موت آئے گی، اور نہ اہل جہنم کو موت آئے گی۔ اس لئے کہ موت کا معاملہ صرف دنیا کے اندر تھا، یہاں موت نہیں، چنانچہ اہل جنت یہ اعلان سن کر انتہائی خوشی کا اظہار کریں گے۔ چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ پر ان الفاظ میں اس کا ذکر فرمایا:

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ
وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۵۶﴾ (سورۃ الدخان: آیت ۵۶)

یعنی جنت میں وہ لوگ موت کا مزہ نہیں چکھیں گے مگر اس پہلی موت کا (جو دنیا میں آچکی) اور اللہ تعالیٰ ان کو جہنم کے عذاب سے بچالیں گے۔ بہرحال! اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت بیان فرمائی کہ اس جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

سب سے عظیم نعمت

پھر فرمایا: "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ" کہ وہاں جنت میں اہل جنت کی یہ حالت ہوگی کہ اللہ ان سے راضی ہوگا، اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے ____ اس دنیا میں ایک مسلمان کے لئے سب سے بڑا اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض نہ ہو جائیں، اگر کسی کے دل میں اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان ہے، تو اس کو ہر وقت یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ میرے کسی عمل سے کہیں اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہو جائیں، وہاں یہ اندیشہ ختم ہو جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہو جائے گا کہ ہم تم سے ہمیشہ کے لئے راضی ہو گئے، اب کبھی ہم تم سے ناراض نہیں ہوں گے۔

اہل جنت اللہ سے راضی

"وَ رَضُوْا عَنْهُ" اور اہل جنت اللہ تعالیٰ سے راضی ہو جائیں گے۔ اہل جنت کے راضی ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ اب ان کو بدقسمتی کا اور تقدیر کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا کہ اب ہماری مقدر میں کوئی غم آجائے گا، کوئی تکلیف آئے

گی اس بات کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہے گا____ بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی، یہ ایسی نعمت ہے جس کا تصور ہم یہاں دنیا میں نہیں کرسکتے، کہ ناراض ہونے کا اندیشہ ہی ختم ہوگیا____ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی، ہم اللہ تعالیٰ سے راضی____

وہاں ہر خواہش پوری ہوگی

حضور اقدس ﷺ نے جو دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان میں سے ایک دعا یہ ہے کہ ''اَللّٰھُمَّ ارْضِنَا وَارْضَ عَنَّا'' اے اللہ! آپ ہمیں راضی کر دیجئے، اور آپ ہم سے راضی ہوجایئے____ بہترین زندگی جس کے برابر کوئی اور زندگی نہیں ہوسکتی، وہ جنت کی زندگی ہے، اس لئے وہاں جو خواہش انسان کے دل میں پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ اس کو فوراً پورا فرمادیں گے، اگر کسی چیز کے کھانے کی خواہش ہوگی تو وہ اللہ تعالیٰ پوری فرمادیں گے، اگر کسی چیز کے پینے کی خواہش ہوگی تو وہ پوری ہوگی۔ کسی نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش ہوگی تو وہ پوری ہوگی۔

جنت میں کھیتی باڑی

یہاں تک اگر کوئی شخص یہ کہے گا کہ یہاں جنت میں میرا کھیتی باڑی کرنے کو دل چاہ رہا ہے، کہ میں یہاں کھیتی لگاؤں، اور اس سے غلہ نکلے، تو اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ تمہیں یہاں کھیتی باڑی کی کیا ضرورت ہے؟ ساری نعمتیں تو تمہیں ویسے ہی ملی ہوئی ہیں، وہ بندہ کہے گا کہ یا اللہ! آپ نے سب نعمتیں دے

رکھی ہیں، لیکن میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں دنیا میں جس طرح کھیتی کیا کرتا تھا اور جس طرح کھیت لگایا کرتا تھا، اس سے کھیتی پیدا ہوتی تھی، میرا دل چاہتا ہے کہ اسی طرح میں یہاں پر بھی کروں، اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے آدم کے بیٹے! تیرا پیٹ کوئی چیز نہیں بھرسکتی، ہر وقت تیرے دل میں کچھ نہ کچھ خواہش پیدا ہوتی رہتی ہے____ اگر تیری یہ خواہش ہے تو یہ بیج لے، اور زمین کے اندر ڈال، اور اس سے کھیتی ہوجائے گی۔ چنانچہ جب وہ بیج زمین میں ڈالے گا تو بیج ڈالتے ہی وہ کھیتی خود بخود اسی وقت اگنی شروع ہوجائے گی، یہاں تک کہ تھوڑی دیر میں بڑی ہوجائے گی، اور پک جائے گی۔ اس کے بعد اس کی کٹائی کر کے وہ ساری پیداوار اس کے سامنے ڈال دی جائے گی۔ ایک لمحہ کے اندر یہ سارے کام ہوجائیں گے، اگر اس قسم کی خواہش بھی دل میں پیدا ہوئی، جو بظاہر بیکار خواہش ہے کیونکہ وہاں تو اللہ تعالیٰ نے ساری نعمتیں دے رکھی ہیں، لیکن چونکہ یہ اعلان کیا ہوا ہے کہ جو چاہوگے وہ نعمت تمہیں مل جائے گی، بلکہ فرمایا: ''وَلَھُمْ مَّا یَدَّعُوْنَ o'' (یٰس: ۵۷) کہ جو تم طلب کروگے وہ وہاں پر ملے گا____ اللہ تعالیٰ کے کارندے ان کی خدمت میں لگے ہوئے ہونگے، اگر اہل جنت یہ خواہش ظاہر کریں گے کہ ہمیں فلاں چیز چاہئے تو وہ کارندے فوراً وہ چیز لے آئیں گے، اس کے باوجود یہ خواہش پیدا ہورہی ہے کہ میں کھیتی باڑی کروں تو اللہ تعالیٰ وہ خواہش بھی پوری فرمادیں گے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خواہش رد نہیں کی جائے گی۔

''خشیت'' کیلئے کوئی لفظ نہیں

جنت کی یہ ساری نعمتیں بیان فرما کر آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایک جملہ ارشاد فرمایا:

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝۸

یعنی یہ نعمتیں، یہ جنت، یہ لافانی لازوال انعامات اس شخص کو ملیں گے جس کے دل میں اپنے پروردگار کی خشیت ہوگی، یعنی باری تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا احساس ہوگا، یہ ''خشیت'' عربی زبان کا لفظ ہے، اور ہماری اردو زبان عربی زبان کی طرح وسیع نہیں ہے، اس لئے اردو زبان میں جب ہم ''خشیت'' کا ترجمہ کرتے ہیں تو یوں کرتے ہیں کہ ''جس کے دل اللہ جل شانہٗ کا ڈر ہو۔ لیکن اردو زبان چونکہ تنگ دامن ہے، اس لئے اس میں ہر قسم کے ''ڈر'' کو ڈر ہی کہتے ہیں، کسی درندے کا ڈر ہے، تو وہ ڈر ہے، اگر کسی چور یا ڈاکو کا ڈر ہے تو وہ ڈر ہے، اگر کسی بادشاہ کا ڈر ہے تو وہ ڈر ہے، اگر اپنے باپ کا ڈر ہے، یا استاذ کا ڈر ہے، یا شیخ کا ڈر ہے۔ وہ بھی ڈر ہے، ہر ڈر کے لئے ڈر کا لفظ ہی استعمال ہوتا ہے۔

عظمت کی وجہ سے ڈر ہو تو وہ ''خشیت'' ہے

لیکن عربی زبان بڑی وسیع زبان ہے، اس میں ''ڈر'' کی ہر قسم کا علیحدہ نام ہے، ایک ڈر وہ ہے، جو سانپ بچھو سے ہو، یا درندے کا ڈر ہو، موذی جانوروں سے ہو، یا چور ڈاکو سے ہو، جن بھوت کا ڈر ہو، اس کو عربی زبان میں خشیت نہیں کہتے، بلکہ ''خشیت'' اس ڈر کو کہتے ہیں جو کسی ذات کی عظمت کی

وجہ سے، اور اس کی بڑائی کی وجہ سے ہو، وہ ہے ''خشیت'' مثلاً کوئی شخص اپنے باپ سے ڈرے، تو باپ سے ڈر اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ باپ میری پٹائی کردے گا، بعض اوقات باپ بڑا مشفق ہوتا ہے۔ اپنی اولاد کو نہ مارتا ہے، نہ ہی سزا دیتا ہے۔ لیکن دل میں یہ خوف اور ڈر ہوتا کہ یہ میرا مشفق باپ ہے۔ مجھ پر اس کی اتنی زیادہ شفقتیں اور احسانات ہیں، اب اگر میں کوئی ایسا کام کروں گا جو اس کی مرضی کے خلاف ہوگا تو میرے لئے یہ کوئی اچھی بات نہیں، یہ ہے ''خشیت'' لہٰذا دوسرے شخص کی عظمت کی وجہ سے جو ڈر ہوتا ہے۔ اس کو عربی زبان میں ''خشیت'' کہتے ہیں۔

خشیت میں اللہ کی عظمت کا احساس

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ''خشیت'' جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے، اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ جل شانہٗ کی عظمت کا احساس کرکے کہ یہ وہ ذات ہے جس نے مجھے پیدا کیا، یہ وہ ذات ہے جس نے مجھے پالا پوسا، یہ وہ ذات جو مجھے رزق فراہم کرتی ہے۔ یہ وہ ذات جس نے مجھ پر انعامات کی بارش برسائی ہوئی ہے، میں اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کروں، اس کا نام ہے ''خشیت'' اس میں یہ بھی ڈر داخل ہے کہ اگر میں اس کی مرضی کے خلاف کام کروں گا تو وہ سزا بھی دے سکتا ہے، اور سزا بھی کسی انسان کی دی ہوئی سزا نہیں، بلکہ جہنم کی سزا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے (آمین) اور اس میں یہ بات داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے مجھے اتنی نعمتوں میں پالا ہے۔ تو اب

میں اس کی ان نعمتوں کی ناشکری نہ کروں، بلکہ اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزاروں۔

جنت کی نعمتیں خشیت والے کیلئے ہیں

بہرحال! فرمایا کہ جنت کی جتنی بھی نعمتیں ہیں، جن کا ابھی ذکر ہوا، یہ نعمتیں ان کے لئے ہیں، جن کے دل میں اپنے پروردگار کی خشیت ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس کرتے ہوئے وہ اس بات سے ڈرتا رہے کہ میرا کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جائے ____ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے راستہ بتا دیا کہ یہ جو فرمایا تھا کہ جو لوگ ایمان لائیں، اور نیک عمل کریں، تو نیک عمل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ یہ احساس دل میں پیدا کرلو، کہ مجھے ایک دن اپنے پروردگار کے پاس جانا ہے، اور اس نے مجھے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے، اس لئے مجھے اس کی ناشکری نہیں کرنی چاہئے، اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہئے اور جن کے دلوں میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے گناہوں سے بچا کر جنت کے راستے پر ڈال دیتے ہیں۔

غفلت کی زندگی سے بچو

اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو یہ ہدایت عطا فرما دی (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ آمین) دیکھیئے: کہ ایک ہوتی ہے غفلت کی زندگی، کہ آدمی صبح سے لے کر شام تک اپنے کاروبار میں، یا اپنی

تعلیم حاصل کرنے میں، یا اپنے کھیل کود میں مگن ہے، اس کو سوائے دنیاوی مصروفیات کے کسی اور چیز کا خیال تک نہیں آتا، یہ غفلت کی زندگی ہے، بس ہر وقت اس فکر میں ہے کہ مجھے زیادہ سے زیادہ لذت حاصل ہو جائے، زیادہ سے زیادہ مزہ آجائے، یاد رکھئے! یہ غفلت کی زندگی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

احساس کے ساتھ زندگی گزارو

ایک زندگی وہ ہے جس میں انسان کو یہ احساس ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہوں، اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعامات کی بارش نازل کی ہوئی ہے، اور مجھے ان انعامات کا حق اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ذریعہ ادا کرنا چاہیئے، میں کماؤں تو حلال کماؤں، میں باتیں کروں تو حلال باتیں کروں، میں کھاؤں تو حلال کھاؤں، میں لوگوں سے ملوں تو حلال طریقے سے ملوں۔ میرا کوئی عمل ایسا نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو، اس کا نام ہے ''خشیت'' اور اسی کو ''تقویٰ'' بھی کہتے ہیں۔

ذمہ داری کا احساس پیدا کرو

ہماری صبح سے لے کر شام تک کی جو زندگی گزر رہی ہے، وہ غفلت میں گزر رہی ہے۔ اس غفلت سے اللہ تعالیٰ ہمیں ہوشیار کرنا چاہتے ہیں کہ اس غفلت کی زندگی کو چھوڑو، اور اپنے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرو، تم اس دنیا میں خدا

بن کرنہیں آئے۔ بلکہ اللہ کے بندے بن کر آئے ہو، اور اللہ کی بندگی کا تقاضہ یہ
ہے کہ ہر ہر قول وفعل کے وقت میں ہر کام کے وقت میں تمہارے دماغ میں یہ
احساس ہونا چاہئے کہ میں جو یہ کام کرنے جا رہا ہوں یہ کام اللہ تعالیٰ کو راضی
کرے گا، یا ناراض کریگا؟ یہ عمل جنت میں لے جانے والا ہے، یا دوزخ
میں لے جانے والا ہے، اس بات کا احساس دل میں پیدا کرلو۔ اور جب کسی
بندے کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو جنت ہی کا
راستہ دکھاتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں

گر یہ ''احساس'' نہ ہو، بلکہ غفلت کے عالم میں انسان زندگی گزار رہا ہو، تو
(اللہ بچائے) ____ پھر دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس
سے محفوظ رکھے، آمین۔ ہدایت کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر یہ احساس
دل میں جاگ رہا ہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ کی بندگی میں زندگی
گزارنی ہے، مجھے اس کے حکم کے مطابق زندگی گزارنی ہے، مجھے گناہ نہیں کرنا،
مجھے اللہ کی معصیت اور گناہ نہیں کرنا، نافرمانی نہیں کرنی۔ میری زبان سے نکلنے
والا لفظ ''جھوٹ'' نہ ہو، میری زبان سے نکلنے والا کوئی لفظ ''غیبت'' نہ ہو، میری
زبان سے نکلنے والے لفظ سے کسی کی دل آزادی نہیں ہونی چاہئے، اور میرے ا
عضاء اور جوارح سے جو حرکتیں صادر ہو رہی ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف
نہ ہونی چاہئیں۔ یہ احساس جس دن پیدا ہو گیا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جنت کا

راستہ کھل گیا۔ اللہ تعالیٰ یہ احساس ہم سب کے دلوں میں پیدا فرمادے، آمین۔

احساس پیدا کرنے کا طریقہ

اس ''احساس'' کو پیدا کرنے کے لئے اور اس کو بیدار کرنے کے دو
طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ جن کے دلوں میں یہ احساس موجود ہے۔ جن کو اللہ
تعالیٰ نے ''خشیت'' کی نعمت سے نوازا ہے۔ آدمی ایسے لوگوں کی صحبت اختیار
کرے، جو لوگ اللہ تعالیٰ سے غافل ہیں، جنت اور جہنم سے غافل ہیں، ان کی
صحبت سے بچے، ایک راستہ تو یہ ہے ____ دوسرا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی
''خشیت'' رکھنے والے لوگ دنیا سے گزر چکے ہیں، جیسے انبیاء V، صحابہ کرام
W، صدیقین، شہداء بزرگانِ دین۔ ان سب کے واقعات پڑھے، ان کی باتیں
اور ان کے ملفوظات پڑھے، تو اس کے نتیجے میں یہ ''احساس'' جاگتا ہے، یہ
احساس زندہ رہتا ہے۔ انسان کی ہر ہر قدم پر یہ احساس رہنمائی کرتا ہے____
بہرحال! جب یہ دو کام کرلے گا کہ تو یہ ''احساس'' رفتہ رفتہ اس کے دل میں بھی
پیدا ہو جاتا ہے، اور یہ ''خشیت'' آجاتی ہے، اور جب یہ خشیت آگئی تو سمجھو کہ
جنت کا دروازہ کھل گیا۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

✿

شبِ قدر کی فضیلت

(تفسیر سورۃ القدر)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

سورۂ اخلاص، خط ثلث، حافظ یوسف سدیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شبِ قدر کی فضیلت

تفسیر سورۃ القدر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ ﴿١﴾ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ ﴿٣﴾ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ مِنْ کُلِّ

اَمْرٍ ﴿٤﴾ سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿٥﴾

(سورۃ القدر)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

یہ سورۃ القدر ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی، کچھ عرصہ سے پارہ عم کی سورتوں کی تشریح کا بیان چل رہا ہے، اور پیش نظر یہ ہے کہ پارہ عم کی سورتیں اکثر و بیشتر وہ ہیں جو نمازوں میں عموماً تلاوت کی جاتی ہیں، اگر ان کا مطلب اور مضمون ذہن میں ہو تو نماز کے اندر بھی زیادہ معنویت پیدا ہو جاتی ہے، اور یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جس کی تشریح و تفسیر کو سمجھنا ہر مسلمان کا ایک اہم فریضہ ہے، الحمدللہ سورۃ بینۃ کی تفسیر مکمل ہو چکی ہے، اور آج سورۃ قدر میں نے تلاوت کی۔

تسلسل کیلئے لیلۃ القدر کا ذکر

اگر چہ اس سورۃ کا تعلق لیلۃ القدر سے ہے، جو رمضان المبارک میں آتی ہے، لیکن چونکہ تسلسل کے ساتھ سورتوں کا بیان چل رہا ہے، اس لئے اس کی تفسیر بھی اختصار کے ساتھ گوش گزار کر لینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اور یوں بھی سورۃ میں ہمارے لئے بہت سے سبق بھی ہیں۔

اس سورت کا شانِ نزول

اس سورۃ کے نزول کا سبب، جسے ''شانِ نزول'' کہا جاتا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام y کے سامنے بعض پچھلی امتوں کا ذکر کیا، اور ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی عمریں بڑی لمبی لمبی ہوتی تھیں، اور ان میں ایک صاحب کا ذکر کیا جن کی عمرا یک ہزار سال ہوئی اور اس ایک ہزار سال میں انہوں نے بڑی عبادتیں کیں، وہ دن میں روزے رکھتے تھے، رات کو تہجد پڑھتے تھے، انہوں نے جہاد میں بھی حصہ لیا، اور اس طرح انہوں نے ایک ہزار سال کی عمر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزاری۔ پچھلی بعض امتیں ایسی گزری ہیں، جن کی عمریں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت بڑی لمبی کی تھیں، خود حضرت نوح u کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا ۖ

(العنکبوت: ۱۴)

یعنی حضرت نوح u اپنی قوم کے درمیان ایک ہزار سال زندہ رہے، جس میں پچاس سال کم تھے، یعنی ساڑھے نو سو سال انہوں نے اپنی امت میں تبلیغ فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امتوں کی عمریں بہت لمبی ہوئی ہیں۔

ہم ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے

حضور اقدس ﷺ نے انہی میں سے ایک امت کے ایک صاحب کا

ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی عمر ایک ہزار سال ہوئی اور انہوں نے اس لمبی عمر میں خوب عبادتیں کیں ــــــ جب یہ واقعہ حضور اقدس ﷺ نے صحابہ کرام y کے سامنے بیان فرمایا تو بعض صحابہ کرام y نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جب ان کی عمریں زیادہ تھیں تو زیادہ عمر ہونے کی وجہ سے انہوں نے عبادتیں بھی بہت زیادہ کیں، پھر ہم تو کبھی بھی ان کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے، کیونکہ ہماری عمریں چھوٹی ہوتی ہیں، کسی کی ساٹھ سال، کسی کی ستر سال، کسی کی اسی سال، شاذ و نادر ہی کوئی نوے اور سو سال تک پہنچتا ہے، لیکن اوسط عمر ساٹھ ستر کے درمیان ہوتی ہے۔ جب یہ بات بعض صحابہ کرام O نے حضور اقدس ﷺ سے ذکر کیا تو آپ کے دل پر بھی اس کا اثر ہوا کہ میری امت کے لوگ پچھلی امتوں کے عابد اور زاہد لوگوں کے مرتبہ تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

وہ رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی، اور اس سورت میں فرمایا کہ اگرچہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی عمریں مختصر ہیں، لیکن ہم نے تمہیں ہر سال میں ایک رات ایسی دیدی ہے کہ وہ ایک رات ایک ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے، یعنی آدمی ایک ہزار مہینوں تک عبادت کرے، یا ایک رات میں عبادت کرے، تو اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں سے بڑھ جاتی ہیں، لہٰذا اگرچہ تمہاری عمریں چھوٹی ہیں، لیکن اگر تم اس رات سے فائدہ اٹھاؤ گے

تو پھر تمہیں یہ خیال نہیں ہوگا کہ ہم ان لوگوں کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتے، بہرحال! یہ شانِ نزول ہے، جس کی وجہ سے یہ سورت نازل ہوئی۔

قرآن کریم کے نزول کیلئے اس رات کا انتخاب

اس سورت کا ترجمہ یہ ہے کہ فرمایا کہ:

إِنَّآ أَنزَلْنَٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ ۝١

سب سے پہلے یہ بات بیان فرمائی کہ ہم نے یہ قرآن کریم لیلۃ القدر میں اتارا ہے، یعنی اس رات کا بیان کرنے سے پہلے اس رات کی عظمت اور اس کے رتبہ کا بیان فرمایا کہ وہ رات اتنی عظیم الشان تھی کہ ہم نے اپنا مقدس کلام اپنے آخری پیغمبر جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کرنے کے لئے ہم نے اس رات کو منتخب فرمایا۔

قرآن کریم لوح محفوظ میں

یہ تو آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ یوں تو قرآن کریم حضور اقدس ﷺ پر تیئیس سال کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا، کبھی ایک آیت اور کبھی دو چار آیتیں خاص خاص مواقع پر حضرت جبرئیل u لے کر آتے رہے۔ اور اس طرح ۲۳ سال میں اس قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا، لیکن جس نزول کا ذکر اس آیت میں ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں اتارا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ازل سے محفوظ رکھا ہوا تھا۔

''لوح محفوظ'' قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے، جس کے لفظی معنی ہیں کہ ایسی تختی جو حفاظت سے رکھی ہوئی ہے، اس لوح محفوظ کی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں____

لیلۃ القدر میں پہلا نزول فرمایا

بہرحال! قرآن کریم لوح محفوظ میں ازل سے موجود تھا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ پر اس کو نازل فرمائیں تو اس کا پہلا مرحلہ یہ تھا کہ لوح محفوظ سے اس کو آسمانِ دنیا یعنی پہلے آسمان کی طرف ایک ساتھ نازل کیا گیا۔ تاکہ آسمانِ دنیا سے پھر حضرت جبرئیل u وقتاً فوقتاً یہ آیات لے کر آیا کریں____ تو اس آیت میں اس پہلے مرحلے کے نزول کا ذکر ہے کہ ہم نے اس قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔ یعنی لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف نازل کرنے کے لئے ہم نے اس رات کا انتخاب فرمایا۔

عظیم کلام کیلئے عظیم رات

چونکہ قرآن کریم اللہ جل شانہٗ کا کلام ہے، اس کی عظیم صفت ہے، اور یہ ازلی اور ابدی ہے، اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا سبب ہے، اس لئے اس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا عظیم عمل جس رات کیا گیا، وہ رات کتنی عظیم ہوگی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ ہم نے اس قرآن کریم کو لیلۃ القدر میں نازل کیا۔

تمہیں کیا معلوم لیلۃ القدر کیا ہے؟

پھر آگے فرمایا:

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲

تمہیں کیا معلوم کہ لیلۃ القدر کیا چیز ہے! یعنی اس کی عظمت، اس کی صفات، اس کی برکات، اس کے انوار تمہیں کیا معلوم، ایک انسان کو کیا پتہ لگ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات میں کیا انوار و برکات رکھی ہیں۔

لیلۃ القدر میں فرشتوں کا نزول

پھر فرمایا:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳

لیلۃ القدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور پھر اس رات کا تھوڑا سا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ

یعنی اس رات میں ملائکہ اور روح، بظاہر روح سے مراد ''روح القدس'' ہے، اور یہ درحقیقت حضرت جبرئیل u کا لقب ہے، یعنی اس رات میں سارے ملائکہ اور ملائکہ کے سب سے افضل فرد یعنی حضرت جبرئیل u اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کا حکم لے کر اترتے ہیں۔

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵

یہ رات سلامتی ہی سلامتی ہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے، یعنی ساری رات اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی نازل ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جائے۔ یہ اس سورت کا ترجمہ ہے۔

قدر کے معنی

اس سورت میں دو تین باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ اس رات کا نام ''لیلۃ القدر'' رکھا گیا ہے، اس کے کیا معنی ہیں؟ ''قدر'' کے کئی معنی آتے ہیں۔ قدر کے ایک معنی ہیں ''رتبہ'' اور درجہ اور منصب، جیسے کہتے ہیں کہ یہ بہت قابل قدر ہے، یا یہ کہ اس کا رتبہ بڑا ہے۔ یعنی اس کی قدر بہت زیادہ ہے، لہٰذا لیلۃ القدر کے معنی ہوئے رتبے والی رات، یعنی جو لوگ اس رات میں عبادت کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، ان کا رتبہ، ان کا درجہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑا عظیم ہوتا ہے، ''قدر'' کے دوسرے معنی ہیں ''عظمت'' یعنی عظمت والی رات، جس کی برکات بہت عظیم ہیں ____ پھر آگے فرمایا:

لیلۃ القدر آخری عشرے کی طاق راتوں میں

لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳

یعنی اس ایک رات میں عبادت ایک ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے، اور یہ تو آپ نے سنا ہوگا کہ ''لیلۃ القدر'' رمضان المبارک کے مہینے میں ہوتی

ہے، اور رمضان المبارک کے بھی آخری عشرے میں ہوتی ہے، اور آخری عشرے کی بھی طاق راتوں میں، یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ ان راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے، اور زیادہ تر علماء کا یہ خیال یہ ہے کہ یہ رات بدلتی رہتی ہے، یعنی کسی رمضان میں ۲۱ ویں شب میں دوسرے رمضان میں ۲۵ ویں شب میں، کبھی ۲۷ ویں شب میں گویا کہ ہر سال یہ رات بدلتی رہتی ہے۔

۲۷ ویں شب اور لیلۃ القدر

لیکن ۲۷ ویں شب میں لیلۃ القدر کے ہونے کا زیادہ احتمال ہوتا ہے، اس لئے کہ علماء نے فرمایا کہ یہ رات بکثرت ۲۷ شب میں آیا کرتی ہے، بعض حضرات نے ۲۷ ویں شب میں آنے کے قرینے بھی نکالے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ سورۃ القدر کے الفاظ کو اگر شمار کریں تو ۲۷ واں لفظ ''ھی'' ہے، جو آخری آیت میں ہے، سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝ اور اس سورۃ میں کل ۳۰ الفاظ ہیں اور ۲۷ واں لفظ ہی ہے، اور ہی ضمیر ''لیلۃ القدر'' کی طرف لوٹ رہی ہے، گویا کہ ۲۷ واں لفظ لیلۃ القدر ہے، اس سے اس طرف اشارہ کہ لیلۃ القدر ۲۷ ویں شب میں واقع ہوگی۔

''لیلۃ القدر'' کے ۹ حروف

اسی طرح اس سورت میں لفظ ''لیلۃ القدر'' کے الفاظ تین مرتبہ آئے ہیں، اور ''لیلۃ القدر'' کے حروف ۹ ہیں، اور ۹ کو ۳ سے ضرب دیں تو جواب میں ۲۷

آتا ہے۔ تو بعض حضرات سے اس رات کے ۲۷ ویں شب میں ہونے کے یہ لطیفے نکالے ہیں۔ لیکن یہ محض لطائف ہیں۔ ان کو کوئی دلیل نہیں قرار دیا جاسکتا، لیکن یہ بات صحیح ہے کہ روایات کی رو سے ۲۷ ویں شب میں ہونے کا احتمال بہت زیادہ ہے، اور اس کی توجیہ علماء نے یہ کی ہے کہ اکثر و بیشتر یہ رات ۲۷ ویں شب میں ہوتی ہے، اور کبھی کبھی دوسری راتوں میں بھی ہوجاتی ہے۔

پہلے بتا دیا گیا پھر بھلا دیا گیا

اللہ تعالیٰ نے اس رات کو پوشیدہ اس لئے رکھا تا کہ لوگ اس کی تلاش اور جستجو میں صرف ایک رات پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ بلکہ ان مختلف پانچ راتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، اس واسطے اللہ تعالیٰ نے اس کو پوشیدہ رکھا ہے، اور حقیقت حال تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ یہ کس رات میں ہوتی ہے، اور اس رات کو راز میں تو رکھنا ہی تھا، لیکن اس رات کو راز میں رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے عجیب طریقہ اختیار فرمایا، وہ یہ کہ پہلے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو متعین طور پر بتا دیا کہ فلاں رات ''لیلۃ القدر'' ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ مجھے وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کی تعیین بتادی تھی، اور میں صحابہ کرام [کو بتانے کے لئے باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں، اور میرا ذہن اس جھگڑے کی طرف منتقل ہوا تو اس رات کی تعیین میرے ذہن سے نکل گئی کہ وہ کونسی رات تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے

لیلۃ القدر قرار دیا تھا، اور میں بھول گیا۔

لڑائی جھگڑا منحوس چیز ہے

اب ظاہر ہے کہ یہ بھولنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے تھا، اور اس کے ذریعہ یہ سبق دینا منظور تھا کہ مسلمانوں کا باہمی لڑائی جھگڑا اور مسلمانوں کا ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہونا، اور ان کے تنازعات اللہ تعالیٰ کو اتنے ناگوار اور اتنے ناپسند ہیں کہ اس کی نحوست سے لیلۃ القدر کی متعین تاریخ نبی کریم ﷺ سے بھلا دی گئی ____ لہٰذا مسلمانوں کے باہمی جھگڑے اور لڑائی ایسی چیز ہے کہ اس کے نتیجے میں اتنی قیمتی بات جس سے مسلمان ساری زندگی فائدہ اٹھا سکتے تھے، وہ بھلا دی گئی، ورنہ نبی کریم ﷺ وحی کی بات کبھی نہیں بھولتے تھے، بس صرف وہی بات بھلا دی جاتی تھی، جسے منسوخ کرنا منظور ہوتا ____ بہرحال! اس کے ذریعہ مسلمانوں کو یہ سبق دینا تھا کہ اے مسلمانو! آپس کے لڑائی جھگڑوں سے جتنا ہو سکے، اپنے آپ کو بچاؤ، یہ لڑائی جھگڑا بڑی منحوس چیز ہے۔

اس رات میں فرشتے ہر امر لیکر نازل ہوتے ہیں

پھر قرآن کریم نے تو ''لیلۃ القدر'' ایک ہی قرار دی ہے، کہ وہ ایک رات رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا کیا برکتیں نازل ہوتی ہیں، کیا کیا انوار نازل ہوتے ہیں ہم پوری طرح ان کا ادراک بھی نہیں کر سکتے، لیکن فرمایا کہ اس رات میں

ملائکہ اور روح القدس اللہ تعالیٰ کا ہر امر لے کر آتے ہیں۔ ''ہر امر'' لے کر آنے کا مطلب یہ ہے کہ سال بھر میں جتنے واقعات اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھے ہیں کہ فلاں شخص پیدا ہوگا، فلاں کا انتقال ہوگا، فلاں کو اتنا رزق دیا جائے گا، فلاں کے ساتھ یہ بیماریاں ہوں گی، فلاں صحت مند ہوگا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر یہ سارے کام ملائکہ کے ذریعہ انجام دلاتے ہیں۔ تو اس رات میں ملائکہ کو سال بھر میں ہونے والے اعمال سپرد کر دیے جاتے ہیں کہ اس سال تمہیں یہ یہ کام کرنے ہیں۔ ''مِنْ كُلِّ أَمْرٍ'' کا یہی مطلب ہے۔

اس رات میں دعا کرے

اس اعتبار سے یہ رات اہمیت رکھتی ہے کہ اس رات میں آدمی اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، اور دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اس کے لئے خیر اور بھلائیوں کے کام متعلقہ فرشتوں کے حوالے کرے تو یہ بھی ایک بڑی عظیم بات ہے۔

ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں

اس سورت میں اگرچہ رمضان کی رات کے بارے میں ذکر ہے، لیکن ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ خصوصیت جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، اگرچہ اسی لیلۃ القدر کے بارے میں ہے جو رمضان المبارک میں آتی ہے، لیکن بعض راتیں ایسی ہیں جو اگرچہ وہ ان خصوصیات کی حاصل تو نہیں ہیں۔ لیکن ان راتوں میں عبادت کرنے کا ثواب لیلۃ القدر میں
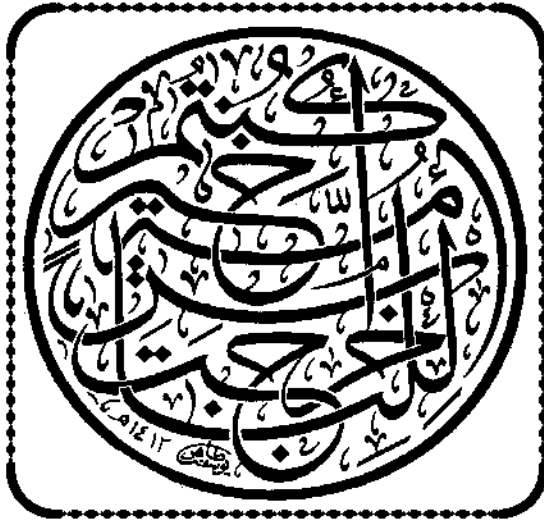
عبادت کرنے کے برابر ہے، جیسے ذوالحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، ان کے بارے میں جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان دس راتوں میں ہر رات میں عبادت کرنا شب قدر کی عبادت کے برابر ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے شب قدر کی جو خوصیات ہیں، وہ تو صرف رمضان المبارک میں آنے والی لیلۃ القدر کے ساتھ خاص فرمادیں۔ لیکن اس کا اجر وثواب بعض دوسری راتوں میں بھی منتقل فرمادیا ____ وہ ذی الحجہ کی ابتدائی دس راتیں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے تو وہ اجر وثواب ہم ان راتوں میں بھی حاصل کرسکتے ہیں ____ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہمیں اس کی قدر پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ○

❁❁❁

❁

نزولِ قرآن کا آغاز

(تفسیر سورۃ العلق)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

✿

ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ العلوم کراچی

✿

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نزولِ قرآن کا آغاز

تفسیر سورۃ العلق

1

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ﴿۳﴾

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾ (سورہ العلق: ۱ تا ۵)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْم، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، کچھ عرصہ سے میں نے پارہ عم کی مختلف چھوٹی سورتوں کا بیان شروع کر رکھا ہے، اور اس سے پہلے سورۃ بینہ اور اس کے بعد پھر سورۃ قدر کی تفسیر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اور اس کی توفیق سے مکمل ہو چکی ہے، اب جو آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، یہ سورہ علق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ اس سورۃ کو سورۃ علق بھی کہتے ہیں، اور سورۃ اقرأ بھی کہتے ہیں، اور ابھی جو پانچ آیتیں میں نے تلاوت کی ہیں، یہ قرآن کریم کی سب سے پہلی آیات ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں۔ یعنی قرآن کریم کے نزول کا آغاز ان پانچ آیتوں سے ہوا۔

صادق اور امین کے لقب سے معروف تھے

اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے، آپ

ﷺ کے والد کا سایہ آپ ﷺ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی سر سے اٹھ چکا تھا، اور آپ کی پرورش آپ ﷺ کے چچا ابو طالب نے کی، اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حیات طیبہ کے چالیس سال اس طرح گزارے کہ پورے مکّہ مکرمہ میں آپ ﷺ کو صادق اور امین کہا جاتا تھا۔ صادق کے معنیٰ ہیں ''سچّا'' اور امین کے معنیٰ ہیں۔ ''امانتدار'' یعنی آپ ﷺ اپنی سچائی اور امانتداری میں پوری بستی میں مشہور اور معروف تھے۔ لوگ اپنے جھگڑوں کا فیصلہ آپ ﷺ کے پاس لایا کرتے تھے، لوگوں کے درمیان اختلاف ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کا تصفیہ کیا کرتے تھے۔

اہل عرب اور بت پرستی

اس وقت عرب کی حالت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم u کا دین رفتہ رفتہ مختلف تحریفات کا شکار ہوکر تقریباً مٹ چکا تھا، اور عرب کے لوگ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر تو ایمان رکھتے تھے____ لیکن اللہ تعالیٰ کو خالقِ کائنات ماننے کے باوجود انہوں نے یہ عقیدہ رکھا ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات مختلف دیوتاؤں کو سونپ دیے ہیں۔ کوئی رزق دینے والا دیوتا ہے، کوئی اولاد دینے والا دیوتا ہے، اور کوئی مشکلات میں انسان کی مدد کرتا ہے____ ان مختلف دیوتاؤں کے لئے انہوں نے بت بنا رکھے تھے، چھوٹے بڑے ہزاروں بت موجود تھے، اور خود بیت اللہ شریف کے اندر جو ابراہیم u کا تعمیر کیا ہوا تھا، اس میں ۳۶۰

بت رکھے ہوئے تھے، لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے بجائے ان بتوں کی عبادت کرتے تھے، اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم عبادت کے ذریعہ ان کو خوش کریں گے تو یہ بت ہمیں رزق فراہم کریں گے، ہمیں روزگار فراہم کریں گے، ہمیں اولاد دیں گے۔ مشکلات میں ہماری مدد کریں گے، مشکل کشا اور حاجت روا ہوں گے، ان عقیدوں کے ساتھ وہ بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کا بت پرستی سے اجتناب

حضور اقدس ﷺ پر ابھی وحی نبوت کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ لیکن آپ ﷺ اپنی قوم کے ان عقیدوں سے بے زار تھے۔ آپ ﷺ یہ سمجھتے تھے کہ جب اس کائنات کو پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے، تو عبادت کا مستحق بھی وہی ہے، اور یہ پتھر کے بت جو لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے ہیں، اور ان کو اپنا دیوتا قرار دیدیا ہے، اور ان کو اپنا مشکل کشا اور حاجت روا قرار دیا ہوا ہے، یہ محض گھڑی ہوئی باتیں ہیں، عقل میں بھی آنے والی نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ پتھر کے بت جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔ اس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ یہ میری مشکل دور کرتا ہے اور میری حاجت پوری کرتا ہے، ساری قوم بت پرستی میں لگی ہوئی تھی، لیکن نبی کریم ﷺ ان سے اجتناب کرتے تھے۔

خلوت میں عبادت کا آغاز

جب آپ ﷺ کا نکاح حضرت خدیجۃ الکبریٰ r سے ہوا تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے اپنی قوم کی اس بت پرستی سے اپنے آپ کو دور کرنے کے لئے یہ سوچا کہ میں کسی خلوت کی جگہ میں جا کر اپنے اللہ کی عبادت کروں، چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ r کی ایک بہت طویل حدیث صحیح بخاری میں آئی ہے، اس حدیث میں انہوں نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کس طرح نبی کریم ﷺ پر نبوت کا آغاز ہوا۔

خلوت کیلئے غارحراء کا انتخاب

حضرت عائشہ صدیقہ r فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر نبوت کا آغاز اس طرح ہوا کہ شروع میں تقریباً چھ مہینے ایسے گزرے کہ اس میں آپ ﷺ کو سچے خواب آتے تھے، اور جو کچھ آپ ﷺ خواب میں دیکھتے، بعد میں وہ واقعہ واضح طور پر جس طرح صبح کی روشنی ہوتی ہے، اس طرح پیش آجاتا تھا ــــ اسی دوران نبی کریم ﷺ کو خلوت اور تنہائی سے ایک خاص انس پیدا ہوگیا۔ حضرت عائشہ r فرماتی ہیں کہ:

حُبِّبَ اِلَيْهِ الْخَلَاءُ

یعنی خلوت گزینی، تنہائی اور لوگوں سے الگ رہنا، آپ ﷺ کو پسند آنے لگا، چنانچہ اس غرض کے لئے آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کی آبادی سے کچھ

فاصلے پر ایک پہاڑ ہے، جو آج بھی جبل نور کے نام سے موجود ہے، اس پہاڑ میں ایک غار ہے۔ جو ''غارِ حرا'' کہلاتا ہے، اور آج بھی وہ غار اسی نام سے موجود ہے۔ آپ وہاں تشریف لے جاتے، اور وہاں تنہائی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے، بعض اوقات کئی کئی دن آپ ﷺ وہاں رہتے ــــ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ جس وقت نبوت کا آغاز ہوا، اس وقت تقریباً ایک مہینہ اس غار میں مقیم رہے، کھانے پینے کا تھوڑا بہت سامان اپنے ساتھ لیجاتے، اور وہاں پر عبادت کرتے۔

اس وقت عبادت کا طریقہ کیا تھا؟

عبادت کس طرح کرتے تھے؟ یہ ہمیں معلوم نہیں، اس وقت تک نماز کا وہ خاص طریقہ جو بعد میں مسلمانوں پر معراج کے موقع پر فرض کیا گیا۔ وہ طریقہ اس وقت بظاہر موجود نہیں تھا ــــ حضرت ابراہیم u کے زمانے سے عبادت کے جو طریقے چلے آرہے تھے۔ بظاہر ان طریقوں سے عبادت کرتے ہونگے، یا وہاں پر بیٹھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی حکمت بالغہ پر غور و فکر اور اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی بندگی کا ایک تصور، یہ بھی عبادت کا ایک طریقہ تھا۔ بہرحال! جس طرح بھی آپ وہاں پر عبادت کرتے تھے ــــ

ایک ماہ کا طویل قیام

آخری بار رمضان المبارک کا مہینہ تھا، اور پورا مہینہ آپ ﷺ نے غار حرا کے اندر گزارا، اور جب آپ ﷺ کا توشہ، اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا تو بعض اوقات آپ خود نیچے اترتے اور توشہ لے آتے، اور بعض اوقات حضرت خدیجۃ الکبریٰ r کھانے پینے کا سامان لے آتیں، اس طرح تقریباً ایک مہینہ وہاں قیام رہا۔

آپ ﷺ کو اُمّی رکھنے میں حکمت

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اسی قیام کے دوران جب میں وہاں اس غار کے اندر موجود تھا کہ حضرت جبرئیل امین u جو اللہ تعالیٰ کے مقرب ترین فرشتے ہیں، وہ آئے اور مجھ سے کہا:

اِقْرَأْ

پڑھو، نبی کریم ﷺ کو پڑھنے کا حکم دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے نبی کریم ﷺ کو امّی بنایا، یعنی آپ ﷺ لکھتے بھی نہیں تھے، پڑھتے بھی نہیں تھے، اور درحقیقت آپ ﷺ کی نبوت اور رسالت کو لوگوں کے سامنے واضح ثبوت کے طور پر پیش کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اُمّی بنایا تھا کہ دیکھو، یہ ایسے صاحب ہیں، جنہوں نے نہ لکھنا سیکھا اور نہ پڑھنا

سیکھا، لیکن ان کی زبان سے ایسے علوم کی باتیں جاری ہو رہی ہیں کہ بڑے بڑے فصیح و بلیغ، بڑے بڑے پڑھے لکھے، بڑے بڑے تعلیم یافتہ لوگ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ جیسے کسی شاعر نے خوب کہا کہ:

اُمّی و نکتہ دانِ عالم

کہ وہ تھے تو اُمّی، لیکن سارے عالم کے علوم سرکارِ دو عالم ﷺ کے اندر جمع تھے____ چونکہ یہ معجزہ دکھانا تھا، اس لئے آپ ﷺ کو اُمّی رکھا گیا تھا۔

وحی کی ابتداء اور نزولِ قرآن کا آغاز

بہرحال! جب حضرت جبرئیل u نے فرمایا: ''اِقْرَأْ'' تو جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: "مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ" میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، جب آپ ﷺ نے یہ عذر پیش کیا تو حضرت جبرئیل u چونکہ انسانی شکل میں آئے تھے، اس لئے انہوں نے حضور اقدس ﷺ کو اپنے سینے سے لگا کر زور سے بھینچا، سرکارِ دو عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ اتنی زور سے بھینچا کہ مجھے تکلیف ہونے لگی، اور پھر مجھے چھوڑ دیا، اور پھر کہا: ''اِقْرَأْ'' پڑھیئے۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے پھر یہ جواب دیا ''مَآ اَنَا بِقَارِیٍٔ'' میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں، حضرت جبرئیل u نے دوبارہ زور سے بھینچا، پھر چھوڑا، پھر تیسری بار کہا: ''اِقْرَأْ'' آپ ﷺ نے پھر وہی جواب دیا ''مَآ اَنَا بِقَارِیٍٔ'' اس

کے بعد حضرت جبرئیل u نے تیسری مرتبہ بھینچا اور فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝١

اپنے اس پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا، اور پھر جبرئیل امین نے یہ ابتدائی پانچ آیتیں تلاوت کیں:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝٥

یہ پانچ آیتیں پڑھنے کے بعد حضرت جبرئیل u چلے گئے ــــ اس کا مطلب سرکار دو عالم ﷺ پر واضح تھا کہ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا فرشتہ میرے پاس بھیجا ہے، اور مجھے نبوت کا منصب عطا فرمایا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام دنیا بھر تک پہنچاؤں، اور اپنی قوم کو اس بت پرستی سے نجات دلا کر راہ راست پر لاؤں۔

ذمہ داری کا بوجھ

آپ ذرا تصور کیجئے کہ پورا عرب بت پرستی سے بھرا ہوا ہے، کوئی شخص شرک کے خلاف ایک لفظ سننے کو تیار نہیں، اور لوگ اتنے ضدی ہیں کہ جو بات ان کی سمجھ میں آجائے، اس پر اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، اگر دشمنیاں ہو جائیں تو نسلوں تک چلتی ہیں، اگر لڑائی کی آگ بھڑک اٹھے تو

چالیس چالیس سال تک لڑائی چلتی رہتی ہے۔ ایسے ماحول میں تن تنہا نبی کریم ﷺ کو یہ فریضہ سونپا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اپنی قوم کی اصلاح کیجئے ــــ اس ذمہ داری اور رسالت کا بوجھ آپ کے اوپر اتنا سخت ہوا کہ اس کی وجہ سے آپ ﷺ کے اوپر جاڑہ چڑھ گیا، بخار آگیا اور اسی حالت میں آپ پہاڑ سے نیچے اترے، اور گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ r سے فرمایا:

زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ

مجھے کمبل اڑھاؤ، مجھے کمبل اڑھاؤ

اللہ تعالیٰ ناکام نہیں فرمائیں گے

حضرت خدیجۃ الکبریٰ r نے کمبل اوڑھایا، اور پوچھا کیا بات ہے؟ سرکارِ دو عالم ﷺ نے پورا واقعہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ r کے سامنے بیان کیا۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ r کو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی رفیقہ حیات بننے کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ تو حضرت خدیجۃ الکبریٰ r نے نبی کریم ﷺ کو تسلی دی، اور عجیب انداز سے تسلی دی۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ناکام اور نامراد نہیں فرمائیں گے، کیونکہ آپ کا معاملہ یہ ہے کہ:

اِنَّكَ تَحْمِلُ الْكَلَّ وَ تَقْرِی الضَّيْفَ وَ تُعِيْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ

آپ محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، معذوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔

مہمانوں کی مہمانداری کرتے ہیں، اور لوگوں کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو ان کی مدد کرتے ہیں ___ اس لئے اللہ تعالیٰ آپ کو نامراد نہیں فرمائیں گے۔ محروم نہیں فرمائیں گے۔

حضرت خدیجہ r کی تسلی الہامی تھی

میں سوچتا ہوں کہ ایسے وقت میں جبکہ ایسے الوالعزم پیغمبر ﷺ کو اپنی ذمہ داری کے بوجھ سے جاڑا چڑھا ہوا ہے، اور وہ گھبرا رہے ہیں کہ میں اس ذمہ داری کو کس طرح نبھاؤں گا، اور کس طرح ادا کروں گا؟ اس وقت جو الفاظ حضرت خدیجۃ الکبریٰ r نے سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے کہے ہیں۔ یہ الفاظ یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں ڈالے گئے ہیں کہ اگر ان الفاظ سے تم ان کو تسلی دو گی تو میرے محبوب ﷺ کو قرار آئے گا، اور اس سے آپ کا بوجھ ہلکا ہوگا۔ ان الفاظ میں نبی کریم ﷺ کی یہ صفات بیان فرمائیں کہ آپ سارے لوگوں کی مدد کرتے ہیں، محتاجوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور لوگوں کی مصیبتوں میں ان کی امداد کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ آپ کو نامراد نہیں فرمائے گا۔

ورقہ بن نوفل

حضرت خدیجۃ الکبریٰ r کے ایک چچا زاد بھائی تھے، جن کا نام ورقہ بن نوفل تھا، انہوں نے بت پرستی کو چھوڑ کر حضرت عیسیٰ u کا دین اختیار کرلیا تھا،

کیونکہ وہ بھی بت پرستی سے بےزار تھے اور بتوں کی عبادت کو درست نہیں سمجھتے تھے، اس وقت کے لحاظ سے آخری نبی کا جو پیغام تھا، اور حضرت عیسیٰ u کا جو پیغام تھا، اس کو جاننے کے لئے انہوں نے انجیل کی تعلیم حاصل کرلی تھی، وہ انجیل کو پڑھا بھی کرتے تھے اور اس کا ترجمہ بھی کیا کرتے تھے ___

ورقہ بن نوفل سے ملاقات

حضرت خدیجۃ الکبریٰ r کے دل میں خیال آیا کہ یہ اہل عرب تو بت پرستی میں مبتلا ہیں، یہ تو نبوت اور رسالت کے سلسلے سے بالکل ناواقف ہیں، ان کو تو کچھ پتہ نہیں، لہٰذا ورقہ بن نوفل کے پاس جانا چاہئے، کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ u کی رسالت کے قائل ہیں اور حضرت عیسیٰ u پر نازل انجیل کو وہ پڑھتے ہیں، لہٰذا ان سے کچھ معلومات اس بارے میں حاصل ہوں گی، چنانچہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ r حضور اقدس ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ بن نوفل اس وقت بہت بوڑھے ہوچکے تھے، اور بینائی جاتی رہی تھی، آنکھوں سے نظر نہیں آتا تھا، سرکارِ دو عالم ﷺ ان کے پاس گئے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ r نے ان کو سارا واقعہ بتایا کہ اس طرح کا واقعہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ پیش آیا ہے۔

ورقہ بن نوفل کی آپ ﷺ کو تسلی

ورقہ بن نوفل نے پورا واقعہ سننے کے بعد کہا کہ وہ فرشتہ جو آپ ﷺ کو

دکھائی دیا اور جس نے آکر آپ ﷺ سے ''اِقْرَاْ'' کہا، یہ وہی فرشتہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ u پر نازل کیا تھا، اور یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت عیسیٰ u کے پاس آیا تھا، اور مجھے یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو نبوت اور رسالت کا منصب عطا فرمایا ہے، اور آپ کو نبی اور رسول بنایا ہے، مجھے اس بات کی حسرت ہورہی ہے کہ میں بہت بوڑھا ہوچکا ہوں، اگر میں جوان ہوتا تو اس وقت آپ کی مدد کرتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو آپ کی بستی سے نکال دے گی ____ اس کے جواب میں حضور اقدس ﷺ نے سوال کیا کہ: اَوَ مُخْرِجِیَّ ھُمْ ؟ کیا یہ لوگ مجھے اپنی بستی سے نکال دیں گے؟ اور مجھے جلاوطن کردیں گے؟ اس پر ورقہ بن نوفل نے کہا کہ شروع ہی سے یہ سلسلہ چلا آرہا ہے کہ جب کوئی پیغمبر آتا ہے، اور اس کی قوم گمراہی میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے، اور وہ پیغمبر اس قوم کو گمراہی سے نکالنے کے لئے ان کو برحق عقیدوں کی طرف بلاتا ہے۔ تو قوم کے لوگ اس کو ستاتے ہیں۔ لہٰذا مجھے یقین ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ کو بھی ستائیں گے، اور کاش کہ میں اس وقت جوان ہوتا تو بڑی قوت کے ساتھ آپ ﷺ کی مدد کرتا۔ لیکن میں اپنی زندگی کے آخری ایام گزار رہا ہوں، اور شاید میں وہ زمانہ نہ پاسکوں۔

وحی کا سلسلہ موقوف ہوگیا

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ورقہ بن نوفل کا اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ہی انتقال

ہوگیا اور اس واقعہ کے بعد تقریباً ڈھائی سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اور پھر ڈھائی سال کے بعد سورۃ ''مزمل'' اور سورۃ مدثر کی آیات نازل ہوئیں، اور پھر وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا، اور ۲۳ سال میں قرآن کریم کا نزول مکمل ہوا۔

پانچ عظیم آیات

بہرحال! یہ پانچ آیتیں جو میں نے آج آپ کے سامنے تلاوت کیں، یہ وہ عظیم پانچ آیات ہیں جن سے نبی کریم ﷺ پر وحی کا آغاز ہوا، اور قرآنِ کریم کے نزول کا آغاز ہوا، جن کے ذریعے نبی کریم ﷺ کو نبوت اور رسالت کے منصب پر فائز کیا گیا۔ یہ وہ عظیم آیات ہیں اب چونکہ وقت ختم ہوچکا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو ان آیات کی تفسیر اور تشریح اگلے جمعہ میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔
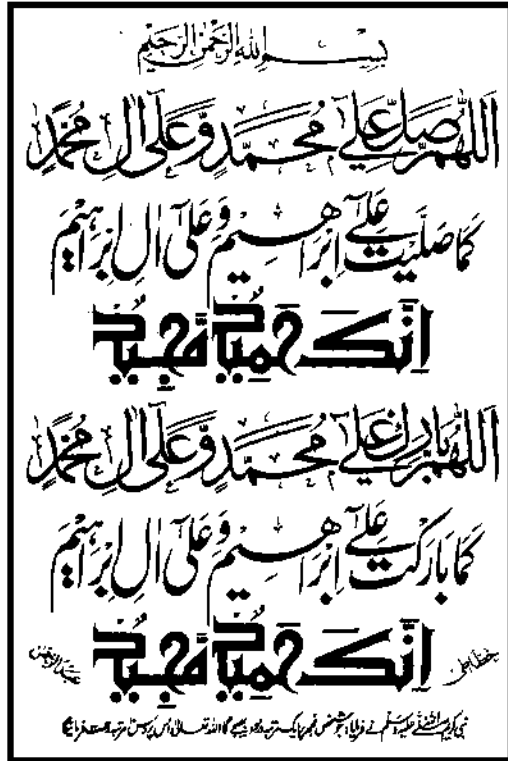
وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

✿✿✿

✿

انسان کی تخلیق

اور قلم کے ذریعہ علم سکھانا

(تفسیر سورۃ العلق)

2

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

انسان کی تخلیق

اور قلم کے ذریعہ علم سکھانا

تفسیر سورۃ العلق

2

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ

مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝

(سورہ العلق: ۱ تا ۵)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ ''اِقْرَاْ'' کی ابتدائی ۵ آیات ہیں جن کے بارے میں گزشتہ جمعہ کو یہ عرض کیا تھا کہ یہ سب سے پہلی آیات ہیں جو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں____ اور غار میں حضرت جبرئیل u ان آیات کو لے کر آئے۔ اس کا مفصل واقعہ گزشتہ جمعہ کو میں نے آپ کے سامنے عرض کیا تھا۔

ایک اُمّی کی زبان سے علوم جاری

اس واقعہ میں یہ بات خاص طور پر یاد رکھنے کی ہے کہ جب حضرت جبرئیل u حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ''اِقْرَاْ'' پڑھو، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اُمّی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت اور مصلحت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا بنایا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا تاکہ یہ بات ایک معجزہ کے طور پر دنیا کے سامنے آئے کہ ایسا

شخص جس نے زندگی بھر نہ لکھا، نہ پڑھا، اس کی زبان مبارک پر ایسے علوم جاری ہو رہے ہیں، جس کے آگے سارے علماء حکماء کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو ایک معجزہ دکھانا تھا، اس واسطے نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ما انا بقارئ" میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس وقت جبرئیلِ امین u نے آپ کو سینے سے لگا کر بھینچا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو بہت تکلیف محسوس ہونے لگی۔

جبرئیل امین u کے بھینچنے کی وجہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل u نے آپ ﷺ کو کیوں بھینچا؟ اس کی اصل وجہ تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، لیکن علماء کرام نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ درحقیقت اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کے قلبِ مبارک میں ملکوتی صفات منتقل کرنا چاہتے تھے، اس مقصد کے لئے حضرت جبرئیل u نے آپ ﷺ کو دبایا، یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ آپ ﷺ کے اندر وہ صفات پیدا فرمائیں گے کہ آپ ﷺ لکھے پڑھے نہ ہونے کے باوجود آپ پڑھیں گے، اور پڑھائیں گے ___ اور دبانے کا یہ معاملہ تین مرتبہ پیش آیا، اور تینوں مرتبہ آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تیسری بار کے بعد حضرت جبرئیل u نے ان پانچ آیات کی تلاوت کی:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْ

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ﴿۵﴾

پروردگار کے نام سے پڑھو

فرمایا: اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے سب کچھ پیدا کیا ___ یعنی آپ ﷺ یہ جو فرما رہے ہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو اللہ تعالیٰ کی ذات میں وہ ساری قدرتیں جمع ہیں جو کسی انسان کو پڑھا ہوا نہ ہونے کے باوجود اس کو نہ صرف پڑھنے والا بنا سکتی ہے۔ بلکہ پڑھانے والا بھی بنا سکتی ہے، معلم کائنات بھی بنا سکتی ہے، اس لئے فرمایا کہ اپنے پروردگار کے نام سے پڑھو ___ اس کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھو، اور یہاں پر لفظ ''اللہ'' نہیں فرمایا، بلکہ پروردگار فرمایا، پروردگار کے معنی ہیں وہ جو پرورش کرنے والا ہے، آپ ﷺ اس کا نام لے کر پڑھیں تو پڑھے لکھے نہ ہونے کے باوجود آپ ﷺ کے اندر پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی اور پھر آپ ﷺ نہ صرف یہ کہ پڑھنے لگیں گے، بلکہ دوسروں کو بھی پڑھانے لگیں گے۔

''بسم اللہ'' پڑھ کر تلاوت کریں

اس سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ جب بھی آپ قرآن کریم پڑھیں، یا کوئی اور چیز پڑھیں، تو اس کو اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھا کریں۔ یعنی ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کہہ کر پھر پڑھا کریں ___ بعض روایات میں یہ بھی

منقول ہے کہ جس وقت جبرئیل امین u نے آپ ﷺ کے سامنے یہ آیات تلاوت کیں، اس وقت ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' بھی پڑھی تھی، اور یہ بسم اللہ بھی ابتدائی آیات کے ساتھ نازل ہوئی، اوراس کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا کہ جب کبھی آپ ﷺ تلاوت کریں تو پہلے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھیں، چنانچہ یہ سنت چلی آرہی ہے، کہ جب بھی آدمی قرآن کریم کی تلاوت کرے تو وہ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پہلے پڑھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے کہ

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ (النحل:۹۸)

اوراعوذ باللہ کے بعد ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' بھی پڑھے۔

پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کیا

آگے سوال پیدا ہو رہا ہے کہ کون سے پروردگار کے نام سے پڑھے، اس کے لئے فرمایا:

اَلَّذِيْ خَلَقَ

وہ پروردگار جس نے پیدا کیا، کس چیز کو پیدا کیا؟ اس کا ذکر یہاں پر نہیں کیا، مطلب یہ ہے کہ جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، سب کچھ پیدا کیا، اس کائنات میں جو بھی چیز ہے، جس عالم میں ہے، جہاں ہے، جیسی ہے، وہ سب اسی پروردگار کی تخلیق ہے، اس سے اشارہ اس طرف فرمادیا کہ جب وہ خالق ہے اور

ہر چیز اس کی پیدا کی ہوئی ہے، تو وہ خالق جس نے ساری کائنات بنائی، جس نے اس کو پیدا کیا ہے، وہ آپ کے اندر بھی پڑھنے اور پڑھانے کی صلاحیت پیدا کرسکتا ہے، لہٰذا اس بات سے رنجیدہ مت ہو جائیں کہ آپ ﷺ پڑھے لکھے نہیں ہیں، جس اللہ نے ساری کائنات پیدا کی ہے، وہ آپ کے اندر عالم ہونے کی اور معلّم ہونے کی صلاحیت پیدا کرنے والا ہے۔

انسان کی تخلیق کا ذکر کیوں؟

آگے فرمایا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

یعنی ساری کائنات تو اسی نے پیدا کی ہے، لیکن خاص طور پر انسان کا ذکر کیا کہ انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ____ یہاں خاص طور پر انسان کی تخلیق کا ذکر اس لئے فرمایا کہ انسان ساری کائنات کے تمام عالموں کا ایک مجموعہ ہے، انسان کے اندر تمام عالموں کا خلاصہ موجود ہے، تمام عالموں کی نمائندگی موجود ہے، اس لئے کہ کائنات میں جتنی چیزیں پائی جاتی ہیں، چاہے وہ جمادات ہوں، یا نباتات ہوں، یا سیال چیزیں ہوں، جمادات جیسے پتھر، نباتات، جیسے اُگنے والی چیزیں، سیّال یعنی بہنے والی چیزیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر یہ ساری چیزیں پیدا کی ہیں، انسان کے اندر جامد مادہ بھی ہے، جیسے ہڈیاں، انسان کے اندر اُگنے والی چیزیں بھی ہیں، جیسے بال، اور انسان کے اندر

بہنے والی چیزیں بھی ہیں، جیسے خون اور فضلات اور پانی ____ اس طرح انسان کے اندر ہر عالم کی نمائندگی موجود ہے۔

انسان ایک چھوٹا عالم ہے

جتنے قسم کی معدنیات دنیا کے اندر پائی جاتی ہیں۔ ان تمام معدنیات کا مجموعہ انسان کے اندر موجود ہے، مثلاً لوہا انسان کے جسم کے اندر موجود ہے، طرح طرح کے دوسرے معدنیات انسان کے اندر موجود ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ:

اَلْاِنْسَانُ عَالَمٌ اَصْغَرُ

کہ انسان خود ایک چھوٹا عالم ہے، اور پورے عالم کی نمائندگی اسی انسان کے اندر موجود ہے۔

انسان عجیب تر مخلوق

اور اگر انسان کی تخلیق کی طرف دیکھا جائے تو ساری کائنات میں سب سے زیادہ عجیب تر مخلوق انسان ہے، عجیب کارخانہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر بنایا ہے، سر سے لے کر پاؤں تک ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی حکمتِ بالغہ کا آئینہ دار ہے، کس طرح اللہ تعالیٰ انسان کی تخلیق فرماتے ہیں، اس کی چھوٹی سی مثال دیدی کہ: ''خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ'' کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔

انسان کی پیدائش کے مختلف مراحل

یہاں پر صرف جمے ہوئے خون کا ذکر ہے، دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ انسان کے تمام مراحل بیان فرمائے ہیں ____ فرمایا کہ سب سے پہلے ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پیدا کیا، پھر اس نطفہ کو علقہ بنایا، یعنی اس کو جما ہوا خون بنایا، پھر اس جمے ہوئے خون کو گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں تبدیل کر دیا، پھر اس کے اندر ہڈیاں پیدا کیں، اور پھر ہڈیوں پر گوشت کا لباس چڑھایا ____ ان سارے مراحل سے گزارنے کے بعد پھر فرمایا:

ثُمَّ اَنْشَأْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ (سورہ مؤمنون، آیت ۱۴)

پھر ہم نے اس کو ایسی اٹھان دی کہ وہ دوسری مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا، جب تک وہ مٹی تھا، تو اس کے اندر نہ شعور تھا، نہ اس میں عقل اور سمجھ تھی، اور جب وہ نطفہ تھا، تو اس میں کوئی عقل اور سمجھ نہیں تھی، جب وہ خون تھا تو اس میں بھی عقل و شعور نہیں تھا، جب وہ گوشت کا لوتھڑا تھا تو بھی اس میں عقل و شعور نہیں تھا، اور ہڈی اور گوشت چڑھانے کے بعد پھر ہم نے اس کے اندر ایسی روح پھونک دی کہ وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن کر کھڑا ہو گیا، بہر حال! جن مختلف مراحل سے گزار کر اللہ تعالیٰ انسان کو پیدا فرماتے ہیں۔ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ

درمیانی مرحلہ جما ہوا خون

یہ جتنے مراحل انسان کی پیدائش کے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے ذکر کئے، ان میں درمیانی مرحلہ جمے ہوئے خون کا ہے، یعنی پہلا مرحلہ مٹی، دوسرا مرحلہ نطفہ، تیسرا مرحلہ جما ہوا خون، پھر مُضغہ، پھر ہڈیاں اور پھر گوشت، ان میں درمیانی درجہ ''خون بستہ'' کا ہے، اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا:

آپ کا رب بڑا کریم ہے

پھر آگے فرمایا:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿٣﴾

یعنی جب یہ بات سمجھ میں آگئی کہ باوجود آپ ﷺ کے پڑھے لکھے نہ ہونے کے آپ ﷺ کا پڑھنا تعجب کی بات نہیں، اس واسطے کہ جب اللہ کا نام لے کر پڑھو گے، اس اللہ کا نام لے کر جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ تو آپ پڑھیں، یعنی بصیرت کے ساتھ پڑھیں، اور یہ نہ سمجھیں کہ جب اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں تو کسی ایسی بات کا حکم دے رہے ہیں جو آپ ﷺ کے بس میں نہیں ہے، ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تمہارا پروردگار بہت کریم ہے۔ وہ ایسا کریم ہے کہ وہ کسی کو ایسا کام کرنے کا حکم نہیں دیتا جس کو کرنے کی اس کے اندر صلاحیت نہ ہو، یا وہ اس کی

استطاعت سے باہر ہو۔ وہ بڑا کریم ہے۔

قلم کے ذریعہ علم عطا فرمایا

وہ کیسا کریم ہے؟ اس کے بارے میں آگے فرمایا:

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿٤﴾

جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ علم عطا کیا ـــــ یہ کیا عجیب بات بیان فرمائی ہے کہ قلم کے ذریعہ علم عطا کیا۔ اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ آج انسان مدارس میں، اسکولوں میں، کالجوں میں، درسگاہوں میں جو علوم حاصل کرتا ہے، وہ کس طرح حاصل کرتا ہے؟ کوئی لکھی ہوئی چیز پڑھتا ہے، اس کے ذریعہ وہ علم حاصل کرتا ہے، اور وہ چیز جو لکھی ہوئی ہوتی ہے، وہ کسی قلم سے لکھی ہوئی ہوتی ہے، تو قلم کو اللہ تعالیٰ نے انسان تک علم پہنچانے کا ذریعہ بنا دیا ہے ـــــ

حروف سے الفاظ کیسے بنے؟

اس کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ ذرا اس بات پر غور کرو کہ اس قلم کے ذریعہ جو تحریر لکھی جاتی ہے، اس تحریر کو سمجھنا اور اس سے مطلب نکالنا کس طرح وجود میں آیا؟ ہم اور آپ صبح شام تحریریں لکھتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی ہیں۔ لیکن ذرا ہم سوچیں کہ اگر ''الف'' لکھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا ''با'' لکھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا، اور ''تا'' لکھیں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ باتیں کہاں پر طے ہوئیں؟ کیا کوئی عالمی کانفرنس بلائی گئی تھی جس میں یہ

طے کیا گیا ہو کہ الف اور ب کو اس طرح ملا کر لکھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا، اور با کو تا کے ساتھ ملا کر لکھا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا___ اور کیا کوئی کانفرنس دنیا میں اس بات کے لئے بلائی گئی تھی، جس میں یہ بات طے کی گئی تھی کہ فلاں حرف فلاں آواز دے گا، اور فلاں لفظ کے یہ معنی ہوں گے___ لہٰذا یہ کوئی معاہدہ عمرانی کے تحت یا کسی باہمی مفاہمت کے تحت یہ باتیں طے نہیں ہوئی تھیں، کوئی شخص یہ نہیں بتا سکتا کہ تاریخ میں کسی بھی زبان کی تحریر کے بارے میں کوئی عالمی معاہدہ ہوا ہو، یا لوگوں نے آپس میں بیٹھ کر یہ طے کیا ہو کہ فلاں لفظ کو اس طرح لکھا جائے گا اور اس کے معنی یہ ہونگے___

الفاظ کا علم حضرت آدم u کو عطا فرمایا

بلکہ اس قلم کے ذریعہ مفہومات کو الفاظ کے سانچے میں ڈھالنا، اور الفاظ کو تحریر کی شکل میں لانا، اور اس تحریر کو انسانوں کے ذہن میں منتقل کرنا یہ سوائے اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق کے اور کس طرح ممکن نہیں___ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم u کو پیدا فرمایا جو اس کائنات میں پہلے انسان تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام اسماء کا علم دیدیا، فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا (البقرۃ:۳۱)

اور ان کو یہ بھی سکھایا کہ کسی لفظ کے کیا معنی ہوتے ہیں، اور انہی کو یہ بھی سکھایا کہ کس لفظ کو کس طرح لکھا جائے گا، اور اس کو کس طرح پڑھا جائے گا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، ورنہ انسان کے بس میں نہیں کہ وہ کوئی ایسا

طریقہ ایجاد کر لیتا کہ جس کے ذریعہ وہ اپنی بات دوسروں تک پہنچا سکتا، چاہے زبان کے ذریعہ ہو، یا قلم کے ذریعہ ہو۔

قلم کی اہمیت آج بھی ہے

بہر حال! اس قلم کو اللہ تعالیٰ نے جو علم کا ذریعہ بنایا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے علم سکھانے کا یہ طریقہ دنیا کو عطا فرما دیا، ورنہ انسان کے بس میں یہ بات نہیں تھی___ آج بھی تجربہ کر کے دیکھ لو، آج جبکہ مواصلات کے آلات کی اتنی کثرت ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ آج میں ایک نئی زبان ایجاد کرتا ہوں، جو تمام مروّجہ زبانوں سے مختلف ہوگی اور اس کی تحریر کا نیا رسم الخط ایجاد کرتا ہوں، تجربہ کر کے دیکھ لے کہ اس کو کوئی قبول کرے گا یا نہیں؟ کوئی اگر ایجاد کرنا چاہے تو بھی نہیں کر سکتا، اس لئے کہ سارے انسانوں کو کسی زبان پر، کسی ایک رسم الخط پر متفق کر دینا، کسی انسان کے بس میں نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے یہ تعلیم دی، اور سارے انسانوں کو اس پر متفق کر دیا کہ اس طرح لکھو، اور اس کا مطلب یہ سمجھو، اس لئے فرمایا: ”عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ“ انسان کو قلم کے ذریعہ تعلیم دی۔

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے

اس کے ذریعہ اس طرف اشارہ فرمایا کہ کیا قلم کے ذریعہ جو تعلیم دی جا رہی ہے، کیا یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ہو رہی ہے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت

کے بغیر ہو رہی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی توفیق کے بغیر ہو رہی ہے؟ نہیں، ایسا ہو ہی نہیں سکتا، اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہو تو قلم سے بھی کوئی تعلیم حاصل نہ ہوتی، تو جس اللہ نے انسان کی تعلیم کے لئے قلم کو ذریعہ بنایا وہی اللہ وحی کو آپ کی تعلیم کا ذریعہ بنا دے، اور وحی کے ذریعہ آپ کو تعلیم حاصل ہو تو اس میں کیا بعد ہے، اور کیا تعجب ہے۔ لہٰذا وہ اللہ تعالیٰ جو ساری دنیا کو قلم کے ذریعہ تعلیم دے رہا ہے، وہ آپ کو بغیر قلم کے تعلیم دے گا، اور آپ کو وحی الٰہی کے ذریعہ علم حاصل ہوگا۔

جبرئیل امین u کے ذریعہ علم عطا کریں گے

اور یہ جبرئیل امین u آپ ﷺ کے سامنے کھڑے ہیں، یہ آپ ﷺ کے پاس ہمارا علم لے کر آئیں گے۔ ہمارے پیغامات لے کر آئیں گے، اور آئندہ آپ پڑھیں گے، اور پڑھ کر دوسروں کو سنائیں گے اور جو کچھ پڑھا ہے، اس کی تعلیم دوسروں کو دیں گے، اور ایسی تعلیم دیں گے کہ اس تعلیم کے آگے ساری دنیا کے علوم و معارف ہیچ در ہیچ ہیں ___ چنانچہ آگے فرمایا:

قلم کے بغیر بھی علم عطا کرتے ہیں

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۝٥

ایک طرف تو یہ فرمایا کہ ہم نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، لیکن ساتھ یہ بھی فرما دیا کہ ہماری تعلیم صرف قلم کے اندر منحصر نہیں، یعنی صرف قلم ہی کے ذریعہ ہم نے

تعلیم نہیں دی، بلکہ انسان کو قلم کے بغیر وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔ جس کا اس کو علم نہیں تھا ___

بچے کو دودھ پینا کس نے سکھایا؟

اپنی پیدائش سے لے کر آج تک کی زندگی پر غور کر لو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں تعلیم دے رہا ہے۔ بچہ آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ جب تک وہ ماں کے پیٹ میں تھا تو اس کے نال کے ساتھ ایک نلکی لگی ہوئی تھی، جس سے اس کو غذا پہنچتی تھی، اور اس بچہ کو وہاں اپنی غذا حاصل کرنے اور کھانے پینے کا علم حاصل نہیں تھا۔ لیکن وہ بچہ پیدا ہوا، اور ماں نے اس بچے کو چھاتی سے لگایا تو اس بچے نے چھاتی کو چوسنا شروع کر دیا، اور دودھ پینا شروع کر دیا، اس بچے کو کس نے سکھایا تھا، کہ اس چھاتی کو چوسنے سے دودھ نکلے گا؟ جبکہ وہ بچہ اس پوزیشن میں ہے کہ اگر آپ اس بچے کو یہ سکھانا چاہیں کہ تو اس چھاتی کو چوس تو تیرے منہ میں دودھ آئے گا، اور تیرا پیٹ بھر جائے گا، آپ اس کو یہ بات نہیں سکھا سکتے، لیکن اس بچے کو کس نے سکھایا کہ وہ ماں کی چھاتی کو اپنے منہ میں لے کر چوسے گا تو اسے غذا حاصل ہوگی؟ اور اس بچے کو کس نے سکھایا کہ جب تجھے بھوک لگے تو رونا شروع کر دینا اور تیرے رونے سے تیری ماں کو پتہ چل جائے گا کہ تجھے بھوک لگ رہی ہے، اور پھر تیری ماں تیرے منہ میں چھاتی دے کر تیری بھوک مٹائے گی۔

بچے کو رونا کس نے سکھایا

جب تک وہ بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، کیا اس بچے کو رونا آتا تھا؟ نہیں، ابھی چند لمحوں پہلے وہ بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، نہ اس کو رونا آتا تھا، نہ ہنسنا آتا تھا، اور نہ دودھ پینا آتا تھا، لیکن ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہی اس بچے کو کس نے سکھا دیا کہ تجھے اس طرح دودھ پینا ہے، اور اس طرح تجھے رونا ہے، تاکہ تو اپنی ماں کو اپنی طرف متوجہ کر سکے، اس لئے اس آیت میں فرمایا کہ ''عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۞'' کہ وہ بچہ جو نہیں جانتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اس کے دل میں یہ علم پیدا کر دیا کہ یہ طریقہ ہے بھوک مٹانے کا، جبکہ وہ یہ بھی نہیں پہچانتا تھا کہ کون میری ماں ہے، اور کون میرا باپ ہے، کون میرا بھائی ہے، اس وقت اس کے اندر کوئی تمیز نہیں تھی، وہ پوری طرح دیکھ بھی نہیں سکتا تھا اور دیکھ کر پہچان بھی نہیں سکتا تھا ___ جوں جوں وقت گزرتا ہے، اس کی آنکھیں ٹھیرنے لگتی ہیں، آنکھیں ٹھیرنے کے نتیجے میں وہ ماں کو پہچاننے لگتا ہے، باپ کو پہچاننے لگتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ہے۔ کوئی شخص یہ چاہے کہ اس بچے کو کوئی بات سکھا دے، یہ بات ناممکن ہے، کسی کے بس میں یہ بات نہیں کہ وہ اس بچے کو کچھ سکھا سکے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کے دل میں یہ باتیں ڈالتا ہے، اسی کو فرمایا کہ: ''عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ ۞'' یہاں قلم بھی نہیں، کتاب بھی نہیں، معلّم بھی نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اس کو علم سکھا رہا ہے۔

تعلیم قلم کے اندر منحصر نہیں

اور جوں جوں اس بچے کی عمر بڑھتی ہے، اس کی معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا چلا جاتا ہے، اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ معلومات کا دائرہ کہاں سے وسیع ہو رہا ہے؟ کون ہے جو اسے سکھا رہا ہے؟ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ہماری تعلیم قلم ہی کے اندر منحصر نہیں ہے، بلکہ جو کچھ علم انسان کو ملا ہے، جس طرح بھی ملا ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے، چاہے قلم کے ذریعہ ہو، چاہے بغیر قلم کے ہو، جیسا کہ ایک جگہ قرآنِ کریم میں فرمایا:

وَاَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ (طٰہٰ:۵۰)

یعنی ہر چیز کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر یہ ہدایت رکھ دی ہے کہ کس چیز کو کس طرح استعمال کرے، اللہ تعالیٰ ہی یہ علم اور ہدایت عطا فرماتے ہیں۔

آپ کو معلّم بنا دے گا

لہٰذا یہ مت سمجھو کہ جس کو بھی جو علم حاصل ہو رہا ہے وہ قلم اور کتاب ہی کے ذریعہ حاصل ہو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے امّی بنایا ہے، لیکن جو اللہ انسان کو ہر بات کی تعلیم دیتا ہے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تعلیم دے گا، اور نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم دے گا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلّمِ عالَم بنائے گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا علم عطا فرمائیں گے کہ ساری دنیا کے علوم و معارف اس کے آگے

سر جھکائیں گے۔

آپ ﷺ ہدایت کا سبب بن گئے

بہر حال! یہ پانچ آیتیں ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نبی کریم ﷺ پر نازل فرمائیں، ان آیات میں یہ پیغام دیدیا کہ آپ ﷺ کا فریضہ جس کے لئے ہم آپ ﷺ کو تیار کر رہے ہیں، وہ یہ کہ چاہے آپ ﷺ پہلے سے پڑھے ہوئے نہ ہوں، لیکن اب آپ پڑھیں گے، لوگوں کے سامنے وہ بات پڑھیں گے جو ہم آپ ﷺ کو عطا کریں گے، اور اس کو آپ ﷺ دنیا تک پہنچائیں گے۔ اس کی تشریح فرمائیں گے، اور اس کے نتیجے میں آپ ﷺ دنیا میں ہدایت کا سبب بنیں گے ___ یہ پانچ آیتیں تمہید کے طور پر حضور اقدس ﷺ پر نازل فرمادیں، اور اس کے ذریعہ آپ ﷺ کو رسالت کا منصب عطا فرمایا اور پھر اس کے بعد وحی کا سلسلہ آگے شروع ہوا۔

ایمان کے بعد پہلا فریضہ علم حاصل کرنا ہے

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی بدولت ہم آج یہاں مسلمان بیٹھے ہیں، اور اس میں ہمیں یہ سبق مل رہا ہے کہ جب سب سے پہلی وحی نازل ہوئی، اس میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ نماز پڑھو، یہ نہیں فرمایا گیا روزہ رکھو، یہ نہیں فرمایا گیا کہ حج کرو، سب سے پہلی بات جو فرمائی گئی وہ یہ تھی کہ ''اِقْرَأْ'' پڑھو، اس کے ذریعہ پیغام یہ دیا گیا کہ انسان کے ذمہ ایمان لانے کے بعد سب سے پہلا

فریضہ یہ ہے کہ وہ کچھ پڑھے، یعنی علم حاصل کرے، اس بات کا علم حاصل کرے کہ میں کیوں اس دنیا میں لایا گیا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے کیوں پیدا فرمایا ہے؟ کیا میری زندگی کے مقاصد کیا ہیں؟ کیا چیز اس میں اچھی ہے؟ کیا چیز بری ہے؟ کیا حلال ہے کیا حرام ہے؟ یہ سیکھنا ہر مسلمان کے ذمے فرض عین ہے ___ یہ سبق ہمیں ان آیات کریمہ سے مل رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے اس حکم پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

✿✿✿
✿

علم سیکھنا فرضِ عین ہے

(تفسیر سورۃ العلق)

3

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

علم سیکھنا فرضِ عین ہے

تفسیر سورۃ العلق

3

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلاَ مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْماً کَثِیْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۝٣ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝٤ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ

یَعْلَمْ ۝٥ (سورۃ العلق: ۱تا۵)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ علق کی پہلی پانچ آیتیں ہیں۔ جن کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، گزشتہ بیانات میں اس سورت کے نزول کا واقعہ بیان کر چکا ہوں۔ یہ سب سے پہلی آیات ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں، اور جو حضرت جبرئیل امین u غارِ حرا میں آپ کے پاس لے کر تشریف لائے۔ اس کا مفصل واقعہ الحمد للہ پہلے بیان ہو چکا ہے، اس کے اعادے کی ضرورت نہیں، اب ان پانچ آیتوں کو تھوڑی سی وضاحت کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝١

''اِقْرَاْ'' کے معنی ہیں ''پڑھو'' اور یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھیے، اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جواب دیا کہ ''مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ'' میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں ـــــ میں کیسے پڑھوں؟ تین مرتبہ یہ سوال جواب ہوئے، اس کے بعد فرمایا گیا کہ اپنے

پروردگار کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا ہے ____

سب سے پہلا فریضہ علم حاصل کرنا

یہاں پہلی بات جو قابلِ توجہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہ پہلی وحی ہے جو نازل ہو رہی ہے، اور یہ پہلا حکم ہے جو دیا جا رہا ہے، دین کے سارے احکام بعد میں آئے، لیکن یہ حکم سب سے پہلے آیا کہ ''پڑھو'' ____ اس میں ہمارے لئے یہ سبق ہے کہ ہر انسان کی سب سے پہلی ذمہ داری، اور اس کا سب سے پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ پڑھے، یعنی علم حاصل کرے، اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں یوں ارشاد فرمایا کہ:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ

کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان کے ذمے فرض ہے، اور ''فريضة'' کا لفظ لائے، یعنی جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، قابلِ استطاعت لوگوں پر حج فرض ہے، اسی طرح علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ یہ بھی اتنا ہی بڑا فریضہ ہے، جتنا نماز روزہ کا فریضہ ہے۔

تمام علوم حاصل کرنا فرض نہیں

لیکن یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ علم تو ایک ناپید کنار سمندر ہے۔ اس کی بے شمار شاخیں ہیں، اور بہت وسعت والی چیز ہے، تو کیا سارے علوم حاصل کرنا، اور علم کی جتنی شاخیں ہیں، وہ ساری حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمے فرض ہے؟ ظاہر

ہے کہ اگر ان سب کو فرض کہہ دیا جائے تو پھر تو کوئی بھی شخص اس فریضہ کو ادا کرنے کے قابل نہیں ہوسکتا، کیونکہ دنیا میں کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں ہے، اور نہ ہوسکتا ہے جو تمام علوم کو حاصل کئے ہوئے ہو، اور تمام علوم کا جامع ہو، کوئی انسان نہ تو اس کا دعویٰ کرسکتا ہے، اور نہ کسی انسان کے لئے یہ بات ممکن ہے۔

علم کی مختلف شاخیں

علم کی بے شمار شاخیں ہیں اور روز بروز نئی نئی شاخیں وجود میں آرہی ہیں، اور کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں ان سارے علوم کا جاننے والا ہوں، مثلاً کوئی شخص ڈاکٹری کا علم حاصل کرتا ہے تو وہ ڈاکٹر بن جاتا ہے، تو اسے انجینئرنگ نہیں آتی، کوئی انجینئر بن جاتا ہے تو اسے ڈاکٹری نہیں آتی، کوئی قانون داں بن جاتا ہے تو اسے نہ ڈاکٹری آتی ہے، نہ انجینئرنگ آتی ہے، غرض علم کی اتنی مختلف شاخیں ہیں کہ ان سب کو اکٹھا کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔

شریعت کے احکام کا علم فرضِ عین ہے

لہٰذا وہ علم جسے ہر انسان کے لئے فرضِ عین قرار دیا ہے، یہ وہ علم ہے جس کے ذریعہ انسان کو اتنی معلومات حاصل ہوجائیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزار سکے ____ اپنی زندگی میں اسے یہ پتہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کیا چیز فرض کی ہے؟ اور کن چیزوں سے مجھے روکا ہے؟ اس کی معلومات حاصل کرنا اس کے ذمے فرضِ عین ہے، مثلاً ہر مسلمان کو یہ پتہ ہے کہ نماز فرض

ہے، روزہ فرض ہے، لیکن اس نماز کو کیسے پڑھا جائے، اس کے کیا طریقے ہیں؟ ان میں کتنے فرض ہیں؟ کتنے واجبات ہیں؟ کتنی سنتیں ہیں؟ اس کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمے فرضِ عین ہے۔

تاجر پر یہ علم فرض عین ہے

اسی طرح آدمی جس شعبہ زندگی سے وابستہ ہو، اس شعبہ زندگی سے متعلق جو فرائض و واجبات یا حلال وحرام کے احکام ہیں، اس کو جاننا ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص تجارت کرتا ہے تو اس کے ذمے یہ جاننا ضروری ہے کہ تجارت کا کونسا طریقہ جائز ہے، کونسا طریقہ ناجائز ہے، کونسا حلال ہے کونسا حرام ہے ــــ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو ایسا پیشہ قرار دیا ہے، جس کے اوپر بڑی فضیلتیں ہیں، قرآنِ کریم میں اس کو اللہ کا فضل تلاش کرنے سے تعبیر فرمایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے کچھ احکام دیے ہیں، اب کونسی خرید وفروخت جائز ہے؟ کونسی حرام ہے؟ اور خرید وفروخت کے لئے کیا کیا لازمی شرائط ہیں؟ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہم تک پہنچا دیں، ان باتوں کا علم حاصل کرنا تاجر کے لئے ضروری ہے۔

تاجر کو یہ باتیں معلوم ہونی چاہئیں

اگر کوئی شخص تجارت نہیں کرتا، اور تجارت اس کا پیشہ نہیں ہے، مثلاً وہ ملازمت کرتا ہے، یا کھیتی باڑی کرتا ہے، اس کے ذمے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ

تجارت کے سارے احکام معلوم کرے، لیکن اگر وہ تاجر ہے، اور دکان کھول کر بیٹھا ہے تو اس کے ذمے واجب ہے کہ وہ یہ جانے کہ کونسی تجارت حلال ہے؟ کونسی تجارت حرام ہے؟ مثلاً اس کو پتہ ہونا چاہئے کہ شریعت نے یہ حکم دیا ہے کہ جب تم کسی کو کوئی چیز بیچو، تو دوسرے شخص کو اس چیز کی کیفیت بتا دو، اگر اس چیز کے اندر کوئی عیب ہے تو اس عیب کو ظاہر کر دو۔ اس کو بتا دو، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص کوئی عیب دار چیز بیچے، اور خریدار کو یہ نہ بتائے کہ اس میں فلاں عیب ہے، اور وہ شخص ناواقفیت میں خرید لے تو ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ:

لَمْ يَزَلْ فِي مَقْتِ اللهِ

یعنی وہ شخص مسلسل اللہ کے غضب میں رہے گا، اور بعض روایتوں میں ہے کہ ملائکہ اس پر لعنتیں بھیجیں گے ــــ یہ شریعت کا حکم ہے، لہٰذا جو شخص تجارت کر رہا ہے، اس کے لئے اس حکم کا جاننا فرض ہے۔

تاجر کیلئے یہ حرام ہے

اسی طرح بتائے بغیر ملاوٹ کرنا حرام ہے، ہاں اگر خریدنے والے کو بتا دے کہ اس میں فلاں چیز کی ملاوٹ ہے تو پھر فروخت کرنا جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن بتائے بغیر ملاوٹ کرنا، دھوکہ دینا، جھوٹ بولنا، مثلاً یہ کہنا کہ بازار میں یہ چیز اتنے کی مل رہی ہے، میں تمہیں اتنے کی دے رہا ہوں، اور اس بات کو بیان کرنے میں جھوٹ بولے تو یہ حرام ہے ــــ اس طرح شریعت

نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے کہ جو چیز تم نے خریدی ہے، جب تک وہ چیز تمہارے قبضہ میں نہ آجائے اس کو آگے فروخت کرنا جائز نہیں، اب اگر تم نے قبضہ کرنے سے پہلے آگے فروخت کردی۔ تو یہ ناجائز کام ہوا، اور گناہ ہوا، یہ باتیں جو تجارت سے متعلق ہیں، اس کا اسے علم ہونا چاہئے، یہ اس کے ذمے فرض ہے، اس علم کو حاصل کئے بغیر اس کے لئے تجارت کرنا جائز نہیں۔

علماء سے پوچھ کر یہ علم حاصل کرے

اور اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ علماء کرام نے ہر شعبہء زندگی سے متعلق جو ضروری معلومات ہیں، وہ کتابوں میں جمع کردی ہیں۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کو جانے اور اس کا علم حاصل کرے ___ اس کے لئے کسی مدرسہ میں داخلہ لینا ضروری نہیں۔ لیکن کتابوں کے ذریعہ اور علماء کرام سے پوچھ پوچھ کر اس کا علم حاصل کرنا انسان کے ذمے فرضِ عین ہے، چاہے وہ انسان کسی بھی شعبہ زندگی سے وابستہ ہو، مثلاً اگر کوئی شخص کھیتی باڑی کرتا ہے تو کھیتی باڑی سے متعلق بھی کچھ احکام اللہ تعالیٰ نے دیے ہیں۔ ان احکام کو جاننا اس کے لئے ضروری ہے۔

ملازم کیلئے شریعت کا حکم

اگر کوئی شخص ملازمت کرتا ہے تو ملازمت سے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے کچھ احکام عطا فرمائے ہیں۔ مثلاً شریعت کا یہ حکم جس کا آج کل لوگ بالکل لحاظ نہیں کرتے، وہ یہ کہ جب کوئی شخص کسی جگہ پر ملازمت کرتا ہے تو اس شخص نے اپنا

وقت بیچ دیا ہے، مثلاً فرض کرو کہ آٹھ گھنٹہ کی وہ ملازمت کرتا ہے، گویا کہ اس نے وہ آٹھ گھنٹے اس تنخواہ کے عوض بیچ دیے ہیں، جو تنخواہ مہینے کے آخر میں اس کو ملنے والی ہے ___ اب شرعاً اس کے ذمے فرض ہے کہ وہ پورے آٹھ گھنٹے اس کام میں لگائے، اب اگر وہ اس وقت میں کمی کرے گا، مثلاً ملازمت تو اس کی آٹھ گھنٹے کی ہے لیکن وہ دو گھنٹے یا تین گھنٹے تاخیر سے پہنچ رہا ہے، یا وقت ختم ہونے سے پہلے دفتر سے چلا جاتا ہے، پورا وقت دفتر میں نہیں دیتا تو اس کا یہ عمل حرام ہے، یہ ایسا ہی حرام ہے جیسے کوئی شخص ناپ تول میں کمی کرے، جیسے مثلاً کسی نے ایک سیر کوئی چیز فروخت کی، لیکن خریدار کو ایک سیر سے کم حوالے کی، اس کا یہ عمل جس طرح حرام ہے، اسی طرح ملازمت کرنے والے کے لئے ایسا کرنا حرام ہے کہ وہ وقت تو پورا نہ دے، اور تنخواہ پوری وصول کرے، اور جتنے وقت کی اس نے کمی کی ہے، اس کے عوض تنخواہ کا جتنا حصہ اس کو ملا ہے، وہ حصہ حرام ہے، ایک ملازم کے لئے اس مسئلہ کو جاننا اور اس کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔

اتنے وقت کی تنخواہ مت لو

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ یہ فکر عطا فرماتے ہیں کہ ان کی آمدنی بالکل حلال ہو، اور اس آمدنی میں حرام شامل نہ ہو، وہ اس بات کا اہتمام کرتے ہیں کہ اگر بالفرض ملازمت کے اوقات کے دوران کوئی ذاتی کام پیش آگیا، اس وقت کو اپنے ذاتی کام میں لگانا پڑا تو وہ اتنے وقت کی تنخواہ کٹوا دیتے ہیں ___ ہمارے بہت سے بزرگوں کے واقعات میں یہ منقول ہے کہ وہ مثلاً کسی مدرسہ میں استاذ

ہیں، اور درس کے وقت میں ان کے پاس کوئی مہمان ملنے کے لئے آ گیا، اور دس پندرہ منٹ اس کے ساتھ گفتگو کرنے میں صرف ہو گئے تو اس کو لکھ کر رکھ لیتے کہ فلاں دن فلاں تاریخ کو میں نے پندرہ منٹ مہمان کے ساتھ گفتگو کرنے میں صرف کئے ہیں ____ اور جب مہینے کے آخر میں تنخواہ ملنے کا وقت آتا تو باقاعدہ دفتر میں درخواست لکھ کر بھجواتے کہ کہ میری تنخواہ سے اتنے پیسے کاٹ لئے جائیں، کیونکہ اتنا وقت میں نے اپنے مفوّضہ فرائض میں استعمال نہیں کیا، بلکہ اپنے ذاتی کام میں استعمال کیا، ایک دو نہیں بلکہ سینکڑوں بزرگوں کا یہ طریقہ رہا ہے۔

تنخواہ میں سے کٹوتی

الحمدللہ! ہمارے ہاں جامعہ دارالعلوم کراچی میں بھی یہ طریقہ موجود ہے کہ جب کوئی استاذ کلاس میں آتا ہے تو اپنی آمد کا وقت رجسٹر میں لکھ دیتا ہے، اور پھر جب مہینے کے ختم پر تنخواہ ملتی ہے تو جتنی تاخیر سے وہ کلاس میں آتا ہے۔ اس کے حساب سے اس کی تنخواہ میں سے خود بخود کٹوتی ہو جاتی ہے ____ کیونکہ اگر وقت تو پورا نہیں دیا، اور کلاس میں تاخیر سے پہنچے یا اس وقت کو اپنے کسی ذاتی کام میں استعمال کر لیا اور تنخواہ پوری وصول کر لی تو یہ تنخواہ اس کے لئے حرام ہے۔

جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ

بعض اوقات لوگ غلط میڈیکل سرٹیفکیٹ دے کر چھٹی کی درخواست

دیدیتے ہیں، حقیقت میں وہ بیمار نہیں ہیں۔ لیکن کسی ڈاکٹر سے سرٹیفکیٹ بنوالیا کہ یہ بیمار ہے اور اس کی بنیاد پر چھٹی کی درخواست دیدی، اور چھٹی منظور کرالی تو یہ گناہ در گناہ ہے۔ ایک طرف تو جھوٹ بولا۔ اس لئے کہ بیمار نہیں تھے، پھر بھی بیمار ہونے کی درخواست دی، دوسری طرف وہ چھٹی حقیقت میں جائز نہ ہوئی، اور جب چھٹی جائز نہ ہوئی تو ان ایام کی تنخواہ حرام ہو گئی ____ پھر جس ڈاکٹر کے پاس جا کر سرٹیفکیٹ بنوایا جائے گا، وہ ڈاکٹر ویسے تو جھوٹا سرٹیفکیٹ نہیں دے گا، بلکہ اس پر اپنا مفاد اور رشوت لیگا، تو رشوت دینے کا الگ گناہ ہوا ____ لہٰذا یہ عمل گناہ در گناہ در گناہ ہے، اور چونکہ لوگوں کو اس کا احساس نہیں ہے، اس لئے لوگ اس کے اندر مبتلا ہیں، تنخواہیں حرام ہو رہی ہیں، گناہوں کے انبار لگ رہے ہیں، اور انسان کو پرواہ بھی نہیں ہے کہ میں کتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہوں ____

یہ سب حرام خوری کا وبال ہے

یہ جو ہمارے چاروں طرف آگ بھڑکی ہوئی ہے، ہر جگہ بدامنی کی فضا ہے، کوئی بھی شخص اطمینان سے اور چین وسکون سے نہیں ہے، یہ سب بلاوجہ تو نہیں ہے، یہ حرام خوری جو ہمارے معاشرے کے اندر اس طرح رچ بس گئی ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قہر ہے جو ہمارے اوپر مسلّط ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس قہر کو دور فرما دے۔ آمین۔ یہ سب اس لئے ہے کہ

جس شعبہ زندگی سے انسان وابستہ ہے، اس شعبہ زندگی سے متعلق جو شرعی احکام ہیں، ان کا علم نہیں اور ان کا پتہ نہیں ہے۔

بظاہر اچھا کام کر رہے تھے

ایک صاحب ایک مرتبہ مجھ سے کہنے لگے کہ مجھے اپنے محکمہ میں یہ سہولت حاصل ہے کہ میں اگر بیمار ہوں، یا میرے گھر والے بیمار ہو جائیں اور میں دوائیں خریدوں تو اس کا بل اپنے محکمہ میں جمع کرا دیتا ہوں تو اس کے پیسے مجھے محکمہ سے مل جاتے ہیں، میں یہ کرتا ہوں کہ میرے جتنے عزیز و اقارب، رشتہ دار ہیں اور دوست احباب ہیں ان سے کہہ دیا ہے کہ جب تم دوائیاں خریدو تو اس کا بل مجھے دے دیا کرو، میں اس بل کے پیسے وصول کر کے تمہیں دیدیا کروں گا، اور اس طرح میں ان کی مدد کرتا رہتا ہوں ــــ یہ بات وہ بڑے فخریہ انداز سے اپنی ایک نیکی کے طور پر بیان کر رہے تھے ــــ ان کا خیال یہ تھا کہ اس طرح میں رشتہ داروں کا حق ادا کر رہا ہوں، اور اپنے دوستوں کے ساتھ خیر خواہی کر رہا ہوں ــــ

یہ حرام کام کر رہے ہو

میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کے محکمے نے آپ کو اس بات کی اجازت دی ہے کہ آپ خود تو علاج نہ کرائیں، لیکن آپ کا کوئی رشتہ دار، یا عزیز، یا دوست بھی علاج کرائے تو اس کا خرچہ بھی وہ محکمہ برداشت کرے، انہوں نے

کہا کہ محکمہ کی طرف سے تو اس کی اجازت نہیں ہے ــــ میں نے کہا کہ جب محکمہ کی طرف سے اس کی اجازت نہیں ہے، پھر بھی تم محکمہ سے پیسے وصول کر رہے ہو، اور دوسرے لوگوں کو دے رہے ہو، یہ حرام کام کر رہے ہو، حرام روپیہ وصول کیا اور وہ حرام روپیہ دوسرے کو دیا۔ خود بھی گناہ میں مبتلا ہوئے، اور دوسروں کو بھی حرام کھلایا، اب آج لوگ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ یہ کوئی گناہ کا کام ہے، یا یہ کوئی بدعملی ہے، اس لئے کہ اس کا علم نہیں، اس بات کو کبھی سوچا ہی نہیں، حلال و حرام کی فکر نہیں، کیا کام میں حلال کر رہا ہوں، کیا کام حرام کر رہا ہوں ــــ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ اس لئے کہ دین کا جو ضروری علم ہے اس کو حاصل کئے بغیر غفلت کے عالم میں جو سمجھ میں آتا ہے، کر گزرتے ہیں۔ نہ حلال کی فکر ہے، نہ حرام کی فکر ہے ــــ بہرحال! اتنا علم حاصل کرنا جس کے ذریعہ انسان اپنے فرائض بجالا سکے، اور گناہوں سے بچ سکے، حرام کام سے بچ سکے، حرام آمدنی سے بچ سکے، حرام رزق سے بچ سکے، اتنا علم حاصل کرنا، ہر انسان کے ذمہ فرضِ عین ہے، یہ مطلب ہے نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا کہ ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ڈاکٹروں کو یہ جاننا ضروری ہے

مثلاً ایک آدمی ڈاکٹر ہے، اب ڈاکٹر کے دینی فرائض میں یہ بات داخل ہے کہ وہ یہ سوچے کہ اس پیشے سے متعلق شریعت نے کیا احکام دئے ہیں؟

بعض دوائیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے اندر ایسی چیزوں کی آمیزش ہوتی ہے، جو یا تو ناپاک ہوتی ہیں، یا حرام ہوتی ہیں، ایسی دواؤں کا استعمال کس وقت جائز ہے؟ اور کس وقت جائز نہیں؟ اس بات کا علم حاصل کرنا اس کے ذمہ ضروری ہے، غرض یہ کہ جس شعبہ زندگی سے انسان وابستہ ہے، اس شعبہ سے متعلق شریعت کے جو احکام ہیں۔ ان کا جاننا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق جاننا ضروری ہے

اس طرح جب آدمی کسی جگہ پر رہتا ہے، تو اس کے آس پاس دوسرے لوگ بھی رہتے ہیں جو پڑوسی کہلاتے ہیں۔ ان پڑوسیوں کے کیا حقوق شریعت نے مقرر کئے ہیں؟ اور دوسروں کے ساتھ زندگی گزارنے کے اللہ تعالیٰ نے کیا آداب عطا فرمائے ہیں؟ ان سب کو جاننا اور ان کا علم حاصل کرنا انسان کے ذمہ ضروری ہے ___ مثلاً ایک آدمی ایک محلّے میں رہتا ہے، اس کے پڑوسی بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے پڑوسیوں کے بڑے حقوق رکھے ہیں، اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیلِ امین ﷺ میرے پاس پڑوسیوں کے حقوق کے اتنے احکام لاتے رہے کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ کہیں یہ حکم نہ آجائے کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے ترکہ میں وارث بھی ہوگا ___ لہٰذا کسی پڑوسی کو آپ کی ذات سے کوئی تکلیف نہ پہنچے، اور پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے ___ یہ ساری باتیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائیں۔

ساتھ بیٹھنے والا بھی پڑوسی ہے

ایک پڑوسی تو وہ ہوتا ہے جس کا گھر آپ سے ملا ہوا ہے، جو ہمیشہ ساتھ رہتا ہے، اور دوسرا پڑوسی ہوتا ہے عارضی اور وقتی، جس کو قرآن کریم نے ''صاحب بالجنب'' سے تعبیر فرمایا ہے، مثلاً آپ بس میں سفر کر رہے ہیں، آپ کی برابر والی سیٹ پر جو شخص بیٹھا ہے، وہ آپ کا صاحب بالجنب ہے۔ اسی طرح مسجد میں آپ بیٹھے ہیں۔ آپ کے برابر جو بیٹھا ہے، وہ آپ کا صاحب بالجنب ہے، یا ہوائی جہاز میں ریل گاڑی میں آپ سفر کر رہے ہیں، آپ کے پڑوس میں جو بیٹھا ہے، وہ آپ کا صاحب بالجنب ہے۔ اس کے بھی حقوق ہیں، قرآن کریم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرو۔

مشترکہ جگہ پر سب کا برابر حق ہے

یا مثلاً ایک مشترکہ جگہ ہے، اس مشترک جگہ میں سب لوگوں کا حق ہے، اب اس جگہ میں اس طرح پھیل کر بیٹھ گئے، یا لیٹ گئے، اور کئی افراد کی جگہ گھیر لی، اور دوسروں کو جگہ نہیں ملی، ان کو کھڑا ہونا پڑا، آج کل اس کو بڑی ذہانت سمجھا جاتا ہے، فخریہ انداز میں بیان کیا جاتا ہے کہ ہم ریل میں سفر کر رہے تھے، اور ہم نے پہلے ہی جا کر اپنا بستر بچھا لیا، اور اپنے لیٹنے کا انتظام کر لیا ___ اس کی پرواہ نہیں کی کہ دوسرے لوگ جو سوار ہوں گے، ان کو کھڑے ہو کر سفر کرنا پڑے گا، یہ صاحب بالجنب کا حق تھا، جو آپ نے غصب کر لیا، کیونکہ جس

طرح آپ کو بیٹھنے کا حق تھا، دوسرا شخص بھی بیٹھنے کا حق دار تھا۔ لیکن آپ نے اس کا حق مار کر اپنے لئے راحت و آرام کا سامان پیدا کرلیا۔ دوسرے کو کھڑے ہونے کی تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں۔ اور اس کا علم حاصل کرنا شرعاً ضروری ہے۔

اپنے شعبہ سے متعلق علم سیکھنا فرض ہے

یہ اس لئے کہ شریعت کے جو ضروری احکام ہیں، اور جس شعبہ زندگی سے انسان وابستہ ہے، اس کے احکام سے ناواقفیت ہے، اور اگر کسی کو واقفیت ہے تو اس پر عمل کرنے کی طرف توجہ اور اہتمام نہیں، یہ فکر نہیں کہ میں یہ کام حلال کر رہا ہوں یا حرام کر رہا ہوں، اس لئے سب سے پہلا فریضہ یہ عائد کیا گیا کہ پڑھو، یہ لفظ پڑھو ہے تو چھوٹا سا، لیکن اگر اس کے مفہوم میں ذرا غور کریں تو ساری زندگی کے احکام اور آداب اس کے اندر آجاتے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلی وحی جو نازل ہوئی وہ ''اِقْرَاْ'' کے لفظ سے شروع ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کا احساس عطا فرمائے، اور جو علم ضروری ہے اس کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین ○

✿✿✿

✿

انسان اللہ کی قدرت کا مظہر ہے

(تفسیر سورۃ العلق)

4

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

❁

ضبط وترتیب
حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب
استاذ جامعہ العلوم کراچی

❁

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان اللہ کی قدرت کا مظہر ہے

تفسیر سورۃ العلق

4

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ٭

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ٭

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ① خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ② اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ③ الَّذِيْ

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ④ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ⑤

(سورۃ العلق: ۱ تا ۵)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰاهِدِيْنَ وَالشّٰاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ علق وہ ابتدائی آیات ہیں جو نبی کریم ﷺ پر سب سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ ان کا بیان چند ہفتوں سے چل رہا ہے، ان آیات کے نزول کا واقعہ پہلے بیان کر چکا ہوں کہ غارِ حرا میں حضرت جبرئیلِ امین u سرکارِ دو عالم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، اور آپ ﷺ سے کہا کہ پڑھئے____ اور پھر یہ پانچ آیتیں سب سے پہلے لے کر آئے۔

''علم کا حصول'' پہلا فریضہ

اس سلسلے میں جو بات گزشتہ بیان میں چل رہی تھی وہ یہ ہے کہ ''اِقْرَاْ'' کا جو یہ حکم ہے، جس کے معنی ہیں ''پڑھو'' یہ سب سے پہلا حکم ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا، اور یہ پہلی ہدایت ہے جو سرکارِ دو عالم ﷺ کو دی جا رہی ہے، اس موقع پر یہ حکم نہیں دیا کہ نماز پڑھو، نہ یہ حکم دیا کہ روزہ رکھو، نہ یہ حکم دیا کہ زکوٰۃ دو، نہ یہ حکم دیا کہ حج کرو، بلکہ پہلا حکم یہ دیا کہ پڑھو، اس سے یہ بات

معلوم ہوئی کہ انسان کی تکلیفی زندگی کا سب سے پہلا فریضہ ''علم کا حصول'' ہے کہ وہ علم حاصل کرے، اور پڑھے، اور اسی سلسلے میں میں نے آخری بیان میں عرض کیا تھا کہ علم کا اتنا حصہ جو انسان کو اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق گزارنے کے لئے ضروری ہے، اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرضِ عین ہے، وہ جس شعبہ زندگی سے تعلق رکھتا ہو، اس کو اپنی ضروریات کے مطابق جتنی معلومات حاصل کرنی ضروری ہیں، ان کا حاصل کرنا فرض ہے۔ جیسے اگر کوئی تاجر ہے اور وہ تجارت کر رہا ہے تو اس کے ذمہ یہ فرض عین ہے کہ وہ یہ معلوم کرے کہ تجارت کا کونسا طریقہ جائز ہے، اور کونسا ناجائز ہے؟ کونسا حلال ہے؟ کونسا حرام ہے؟ کوئی آدمی ملازم ہے تو اس کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ کونسی ملازمت حلال ہے، کونسی حرام ہے، اور ملازم ہونے کی حیثیت میں اس کے ذمہ شریعت کی طرف سے کون سے فرائض عائد ہوتے ہیں؟ اتنا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہے۔ جس کے بارے میں حدیث شریف میں فرمایا:

طلب العلم فریضة علی کل مسلم

عبادات کا علم فرضِ عین ہے

اس کے بعد دوسرے علوم میں یہ تفصیل ہے کہ ہر شخص کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ وہ پورا عالم بنے، لیکن اتنی بات اس کو معلوم ہونی چاہئے کہ نماز کیسے پڑھی جاتی ہے، زورہ کیسے رکھا جاتا ہے، زکوٰۃ کس پر فرض ہوتی ہے، حج کس کے ذمہ واجب ہوتا ہے، یہ ساری معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض ہیں۔

دوسرے علوم فرضِ کفایہ ہیں

اسی طرح دنیا کے جو دوسرے علوم ہیں۔ چاہے طب کا علم ہو، یا انجینئرنگ کا علم ہو یا اور شعبہ ہائے زندگی کا علم ہو، وہ بھی ہر ایک کے ذمہ فرض نہیں، البتہ وہ بھی فرضِ کفایہ ہیں ____ فرضِ کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر معاشرے میں کچھ لوگ اس کا علم حاصل کرلیں تو باقی لوگوں کی طرف سے وہ فریضہ ادا ہو جائے گا، لیکن کوئی شخص بھی وہ علم حاصل نہ کرے تو سب گناہ گار ہونگے ____ مثلاً کپڑے سینے کا علم، کھانا پکانے کا علم، بیماریوں کے علاج کا علم، یہ سب علوم فرضِ کفایہ ہیں۔ اگر پورے معاشرے کوئی آدمی بھی ایسا نہ ہو جو طب کو جانتا ہو اور لوگوں کی بیماریوں کا علاج کرسکتا ہو، تو پورا معاشرہ گناہ گار ہوگا، کم از کم ایک فرد ایسا ہونا چاہئے جو بیماریوں کا علاج کرسکے ____ یا مثلاً معاشرے میں کوئی شخص بھی عالمِ دین نہ ہو، اور دین کے تمام احکام کا علم نہ رکھتا ہو۔ تو پورا معاشرہ گناہ گار ہوگا، اس لئے کہ کم از کم ایک آدمی ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو دین کی تفصیلی معلومات فراہم کرسکے۔ بہرحال! سب سے پہلا حکم جو نبی کریم ﷺ کو دیا گیا وہ یہ تھا ''اِقْرَاْ'' پڑھو، یعنی علم حاصل کرو۔

اپنے پروردگار کا نام لیکر پڑھو

آگے فرمایا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱

اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو، جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا، یہ جو
فرمایا کہ اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو، جس نے ساری کائنات کو پیدا کیا، یہ
درحقیقت اس طرف اشارہ ہے کہ جب سب سے پہلے حضرت جبرئیل امین
u نے حضور اقدس ﷺ کو ''اِقْرَاْ'' کہہ کر پڑھنے کا حکم دیا تھا، تو جواب
میں حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، تو پھر حضرت
جبرئیل امین u نے فرمایا کہ اگرچہ تم پڑھے ہوئے نہیں ہو، تم اُمّی ہو، لیکن جب تم
اللہ کا نام لے کر پڑھو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اندر پڑھنے کی پوری صلاحیت
پیدا فرمادیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی آپ ﷺ کو اُمّی رکھا اور اسی حکمت
کے تحت رکھا کہ اُمّی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی زبانِ مبارک پر وہ علوم
جاری ہوں جس کے آگے ساری دنیا کے علماء اور حکماء گھٹنے ٹیک دیں ____ اس
لئے جب تم اللہ کا نام لے کر پڑھو گے تو پڑھا جائے گا۔

کتاب لکھنے پڑھنے سے پہلے ''بسم اللہ''

اور اس آیت سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ جب بھی آدمی قرآنِ کریم کی
تلاوت کرے، یا کوئی اور علم حاصل کرنا چاہے، اور اس کے لئے کوئی کتاب
پڑھے، یا لکھے تو اس کا آغاز اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام سے ہونا چاہئے، یعنی ''بسم
اللہ الرحمن الرحیم'' سے ہونا چاہئے۔ لہٰذا اگر تم کوئی کتاب پڑھ رہے ہو تو بسم اللہ
الرحمن الرحیم پڑھ کر شروع کرو، اگر تم کوئی کتاب لکھ رہے ہو تو بسم اللہ الرحمن

الرحیم پڑھ کر شروع کرو، اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ایک حدیث میں نبی کریم
ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ فِيْهِ بِبِسْمِ اللهِ فَهُوَ اَقْطَعُ

اوکما قال ﷺ: فرمایا کہ کوئی بھی اہم کام جو اللہ کے نام کے بغیر شروع
کیا جائے، بسم اللہ کے بغیر شروع کیا جائے، وہ ادھورا اور ناکام ہے۔ اس
میں کوئی برکت نہیں، اور جب تم اللہ کے نام سے شروع کرو گے تو اس میں برکت
ہوگی، اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت شاملِ حال ہوگی، اس لئے ہر کام کو
شروع کرنے سے پہلے خاص طور پر کوئی کتاب شروع کرنے سے پہلے، کوئی علم
حاصل کرنے سے پہلے، کوئی کتاب لکھنے سے پہلے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پڑھنا
چاہئے، اس کی نبی کریم ﷺ نے بھی تعلیم دی ہے، اور اس آیتِ کریمہ سے بھی
یہ بات معلوم ہوتی ہے۔

جس نے پیدا کیا، وہی صلاحیت دیگا

پھر فرمایا:

الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾

یعنی وہ ذات جس نے پیدا کیا، کیا چیز پیدا کی؟ اس نے ساری کائنات کو
پیدا کیا۔ آسمان اس نے پیدا کیا، زمین اس نے پیدا کی، انسان کو اس نے پیدا
کیا، جانوروں کو اس نے پیدا کیا، اور انسان کی تمام صلاحیتوں کو اسی نے پیدا
کیا____ اس سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ آپ تو یہ فرما رہے ہیں کہ میں پڑھا

ہوا نہیں ہوں، میں کیسے پڑھوں، ارے جس ذات نے ساری کائنات پیدا کی ہے، اور جس ذات نے آپ ﷺ کو تخلیق کیا ہے، آپ ﷺ کے اندر صلاحیتیں پیدا کی ہیں، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ آپ کے امّی ہونے کے باوجود آپ کے اندر پڑھنے کی پوری صلاحیت پیدا فرمادیں____

''انسان'' اللہ کی قدرت کا مظہر

پھر آگے فرمایا:

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ ﴿٢﴾

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر انسان کا ذکر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ یوں تو ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے، لیکن خاص طور پر انسان کا علیحدہ ذکر فرمایا کہ ساری کائنات میں سب سے عجیب مخلوق ''انسان'' ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اور اس کی حکمتِ بالغہ کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے، کیونکہ انسان ایسی مخلوق ہے کہ اگر اس کے اندر غور کرو، سارے عالم انسان کے وجود کے اندر جمع ہیں۔ چنانچہ انسان کے وجود کے اندر ''جمادات'' یعنی ٹھوس چیزیں بھی ہیں، جیسے ہڈیاں، اس کے اندر ''نباتات'' یعنی اگنے والی اشیاء بھی ہیں، جیسے بال، اس کے اندر روح کے موجود ہونے سے حیوان کی صلاحیتیں بھی اس کے اندر موجود ہیں۔ اس طرح تمام قسم کے عالم اس کے اندر موجود ہیں۔

انسان پوری کائنات کا خلاصہ

اس لئے فرمایا گیا:

اَلْاِنْسَانُ عَالَمٌ کُلُّهٗ

کہ انسان پوری کائنات کا خلاصہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، چونکہ ہم لوگ صبح سے لے کر شام تک انسان کی خصوصیات دیکھتے رہتے ہیں، نگاہیں اس کی عادی ہوگئی ہیں، لہٰذا اس کی اس کیفیت پر تعجب نہیں ہوتا، لیکن اگر غور کرو تو انسان کی ایک ایک نقل وحرکت اور پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک، مرنے کے بعد تک اس کی پوری تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اس کی حکمتِ بالغہ کا حیرت انگیز کرشمہ ہے، کہ اس انسان کو ایک حقیر سے پانی کی ایک بوند سے ترقی دے کر اس کو خون بستہ بنایا، کس طرح اس کو لوتھڑا بنایا، کس طرح اس پر ہڈیاں چڑھائیں، کس طرح اس ہڈی پر گوشت کا لباس چڑھایا، کس طرح وہ ماں کے پیٹ میں پرورش پا رہا ہے؟ اور ماں کے پیٹ میں اس کو کس طرح غذا دی جارہی ہے۔ کس طرح اس کی نشوونما ہو رہی ہے، اور پیدا ہونے کے بعد کس طرح اچانک اس کے اندر بولنے اور رونے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے۔ جب تک وہ ماں کے پیٹ میں تھا، وہ خاموش تھا، اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکلتی تھی، لیکن پیدا ہوتے ہی اس کے اندر بولنے کی، اس کے اندر ہنسنے کی، اور اس کے اندر رونے کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، اور اس وقت اس کو کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کائنات جس کے اندر میں آیا ہوں یہ کیا چیز ہے؟ اور میرا وجود اس میں کس

طرح ہوا ہے؟ لیکن رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اس کو کس طرح ترقی کے مدارج سے گزارتے ہیں، اور کس طرح اس کے اندر سمجھ پیدا ہوتی ہے، اور وہ سمجھ ترقی کرکے عقل بن جاتی ہے۔ اور کس طرح انسان اس عقل کے ذریعہ دنیا کے اندر زندگی گزارتا ہے، ان میں سے ایک ایک چیز ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا عظیم الشان مظہر ہے۔

اپنے وجود پر غور کرو

اسی لئے قرآن کریم نے بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ کے بندو اور کچھ نہیں تو تم اپنے وجود پر غور کرلیا کرو، فرمایا:

وَفِيٓ أَنفُسِكُمۡۚ أَفَلَا تُبۡصِرُونَ (الذاریات:۲۱)

تم اپنے وجود میں غور کرو، اس میں ہم نے اپنی قدرت کے جو کرشمے رکھے ہیں، کیا تمہیں اپنی آنکھوں سے نظر نہیں آتے؟ ____ اسی لئے خاص طور پر انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ یہ ساری کائنات تو ہماری پیدا کی ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا عظیم شاہکار ''انسان'' ہے، جس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے دوسری آیات میں بیان فرمائی ہیں ____ بہرحال! جس ذات نے ساری کائنات پیدا کی، جس ذات نے انسان کو پیدا کیا، اور اس انسان کے اندر جو صلاحیتیں ہیں، وہ بھی اسی کی تخلیق ہیں، جب تم اس ذات کا نام لے کر پڑھو گے تو تمہارے پڑھے ہوئے نہ ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ تمہارے اندر وہ صلاحیتیں پیدا فرمادیں گے کہ تمہاری زبان پر وہ علوم جاری ہوں گے کہ ساری دنیا کے عقلاء اور علماء اس

کے گھٹنے سامنے ٹیک دیں گے۔

تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے

آگے فرمایا:

اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ (العلق:۳)

پڑھنے کے حکم کو دوبارہ دہرایا کہ پڑھو ____ مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلا پڑھنا تو اپنے لئے تھا، اور دوسرا پڑھنا اس معنی میں ہے کہ اب لوگوں کے سامنے پڑھ کر ہمارا پیغام پہنچاؤ، ہمارے دین کی تبلیغ کرو، ''وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ'' تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے، اتنا کریم ہے کہ اگرچہ بظاہر تمہیں اپنے اندر پڑھنے کی صلاحیت نظر نہیں آرہی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے تمہارے اندر وہ صلاحیت پیدا فرمائیں گے۔

تمہیں قلم کے ذریعہ تعلیم دی

آگے فرمایا:

الَّذِىۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِۙ (العلق:۴)

وہ ذات جس نے قلم کے ذریعہ تعلیم دی، یعنی وہ لوگ جو زبانی طور پر علم حاصل نہیں کرسکے، ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے قلم کا راستہ اختیار فرمایا، قلم کا راستہ اختیار کرنے سے درحقیقت اس عظیم حقیقت کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ دیکھو! دنیا میں کتنی زبانیں پھیلی ہوئی ہیں، اور ان زبانوں کو قلم کے ذریعہ تحریر

کر کے دوسروں تک پہنچایا جاتا ہے، اور اس کے مختلف رسم الخط اللہ تعالیٰ نے ایجاد کئے ہوئے ہیں، ذرا غور کرو، یہ سارے رسم الخط اور لکھنے کے طریقے، چاہے وہ کسی بھی زبان کے ہوں، کیا کوئی عالمی کانفرنس ہوئی تھی، جس میں ساری دنیا کے لوگوں نے مل کر یہ بات طے کیا ہو کہ ہم اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے اپنی باتوں کو تحریر کے ذریعہ ظاہر کرنے کے لئے یہ حروف بنائیں گے کہ الف اس طرح لکھا جائے گا، ''ب'' اس طرح لکھا جائے گا، اور ''ج'' اس طرح لکھا جائے گا۔ اگر کوئی شخص تلاش کرنا چاہے تو پوری تاریخ میں اس کی کوئی ایک مثال نہیں ملے گی کہ لوگوں نے آپس میں بیٹھ کر یہ طے کیا ہو کہ یہ حرف اس طرح لکھا جائے گا، اور اس کو اس طرح پڑھا جائے گا، اور یہ لفظ اس طرح لکھا جائے گا، اور اس کے معنی یہ ہوں گے۔

زبانیں اور رسم الخط الہامی ہیں

یہ تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں الہام اور القاء فرما دیا، اور سب لوگوں کے دلوں میں ایک جیسی بات آگئی کہ جب یہ لفظ بولا جائے گا تو اس کے معنی یہ ہوں گے۔ اور یہ لفظ اس طرح لکھا جائے گا، یہ انسانی سمجھوتہ یا کسی معاہدہ عمرانی کی شکل میں یہ بات طے نہیں ہوئی تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قلوب پر اور ان کے دلوں پر الہام فرمایا کہ اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے یہ طریقہ اختیار کرو، اور اس نے حروف بنائے، اور اسی نے الفاظ بنائے، اسی نے تحریر

بنائیں، اور قلم کے ذریعہ وہ باتیں دوسروں تک پہنچائیں جو زبان کے ذریعہ نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی اس تخلیق قلم پر غور کرے تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ پوری دنیا میں جو زبانیں اور جو رسم الخط پھیلے ہوئے ہیں، وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کی دلیل ہے۔

زبانوں کا اختلاف قدرت کی نشانی ہے

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط (الروم:۲۲)

یعنی یہ جو مختلف زبانیں جو تم بولتے ہو، یا لکھتے ہو، ان کا اختلاف بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، بہر حال! اللہ وہ ذات ہے جس نے قلم کے ذریعہ تمہیں تعلیم دی، اور وہ ذات تو قلم کی بھی محتاج نہیں، وہ بغیر قلم کے بھی تمہیں علم دے سکتا ہے، جیسا کہ آگے ارشاد فرمایا:

انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ (العلق:۵)

کہ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا ____ اور دوسری جگہ قرآنِ کریم میں فرمایا کہ جب ہم نے تم کو ماں کے پیٹ سے پیدا کیا تو اس وقت تمہاری حالت یہ تھی کہ ''لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا (النحل:۷۸)'' تم اس وقت کچھ بھی

نہیں جانتے تھے، چنانچہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو کچھ علم نہیں ہوتا، پھر رفتہ رفتہ اللہ تعالیٰ اس کو سکھاتے ہیں، وہی بچہ جو کچھ نہیں جانتا تھا، اتنا علم اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو سکھا دیا کہ ماں کی چھاتی چوسنے سے تمہیں دودھ اور غذا حاصل ہوگی، اور اس بچے کو یہ سکھا دیا کہ جب تمہیں بھوک لگے تو اپنی بھوک کا اظہار رو کر کرو، تو ماں تمہیں اپنی چھاتی سے لگالے گی، اور پھر تمہیں دودھ پلا کر تمہیں غذا کا سامان مہیا کرے گی، اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو تعلیم دینے کا آغاز فرمایا:

خلاصہ

اور پھر جوں جوں انسان آگے بڑھتا ہے، اس کو علم عطا کرنے کے لئے مختلف ذرائع وجود میں لاتے ہیں، علم حاصل کرنے کے وہ مختلف ذرائع کیا ہیں؟ اس کی بڑی تفصیل ہے اور اب وقت ختم ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اس کی تفصیل آئندہ عرض کروں گا___ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین ○

✿✿✿
✿

وان ليس للانسان الا ما سعى

اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے - (سورۃ النجم آیت ۳۹)
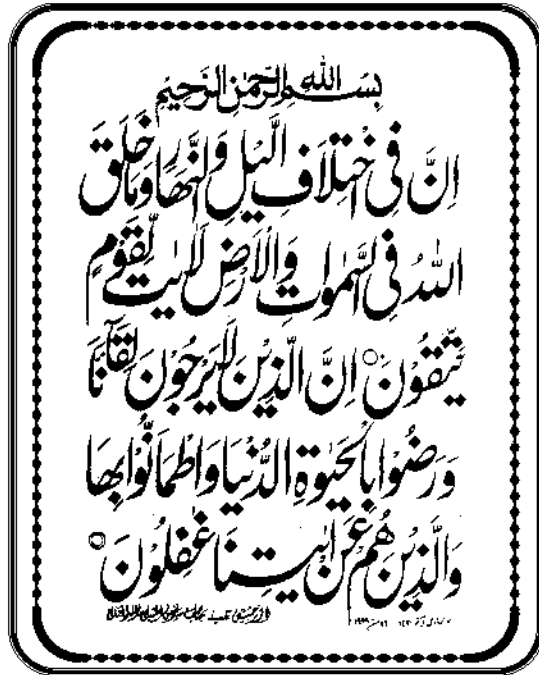
مالداری گھمنڈ میں مبتلا نہ کردے

(تفسیر سورۃ العلق)

5

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

✿

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

✿

میمن اسلامک پبلشرز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان فی اختلاف الیل والنھار وما خلق

اللہ فی السموت والارض لایت لقوم

یتقون ۝ ان الذین لا یرجون لقاءنا

ورضوا بالحیوۃ الدنیا واطمانوا بہا

والذین ہم عن ایتنا غفلون ۝

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مالداری گھمنڈ میں مبتلا نہ کردے

تفسیر سورۃ العلق

5

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ •

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ •

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ

يَعْلَمْ ﴿۵﴾ كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ﴿۸﴾ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۲﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ (سورہ العلق: ۱ تا ۱۸)

آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ العلق ہے، جس کی تشریح کا بیان پچھلے کئی جمعوں سے چل رہا ہے، اس کی ابتدائی ۵ آیات سب سے پہلے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھیں، اور قرآنِ کریم کے نزول کا آغاز انہی آیات سے ہوا تھا، ان ۵ آیات کی بقدرِ ضرورت تفسیر وتشریح الحمدللہ پچھلے بیانات میں ہوچکی ہے۔ جس کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کا حکم دیا تھا، اور اس سے مراد قرآنِ کریم کا پڑھنا تھا، اور ساتھ ہی ''اِقْرَاْ وَ

"رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ" فرما کر یہ حکم بھی دیا گیا کہ آپ دوسرے لوگوں تک یہ پیغام پہنچائیں، یعنی قرآنِ کریم کی تعلیمات کو صرف اپنی حد تک محدود نہ رکھیں، بلکہ دوسروں تک بھی پہنچائیں، اور ان کو بھی ہدایت کے راستے پر لانے کی کوشش فرمائیں۔

توحید کی مخالفت تو ہونی تھی

ظاہر ہے کہ اس معاشرے میں اور اس ماحول میں جہاں چاروں طرف کفر والحاد کی اور بے دینی کی فضا مسلّط تھی۔ اس وقت میں جب کوئی اللہ کا بندہ، اللہ کی توحید کا پیغام پہنچاتا تو اس کی مخالفت بھی یقیناً ہونی تھی، تو نبی کریم ﷺ کو اس مخالفت کے بارے میں بھی اگلی آیات میں کچھ ارشاد فرمایا گیا۔ اگلی آیات جو "كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ" سے شروع ہو رہی ہیں۔ یہ پہلی پانچ آیتوں کے کافی دنوں کے بعد نازل ہوئیں ــــــ لہٰذا یہ پوری سورۃ اقرأ ایک ساتھ نازل نہیں ہوئی، بلکہ پہلی پانچ آیتیں غارِ حرا کے اندر نازل ہوئیں، ان سے وحی کا آغاز ہوا، اس کے بعد سورۃ مدثر وغیرہ کی کچھ اور آیات نازل ہوئیں۔ پھر اس کے بعد اگلی آیات جو "كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ" سے شروع ہو رہی ہیں۔ وہ بعد میں نازل ہوئیں۔

ابوجہل کا آپ کے ساتھ رویّہ

اگلی آیتوں کا پس منظر یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپ

ﷺ بحیثیت پیغمبر کے اپنی دعوت لوگوں تک پہنچائیں تو ابوجہل اور اس کے ہم نوا، نبی کریم ﷺ کے دشمن ہو گئے، اور انہوں نے آپ ﷺ کی مخالفت شروع کر دی، حضورِ اقدس ﷺ مسجد حرام میں نماز پڑھتے تو ابوجہل کو سخت ناگوار ہوتا، اور وہ حضورِ اقدس ﷺ کو روکتا کہ نماز مت پڑھو ــــــ ایک دو مرتبہ جب اس نے روکا تو نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ اس کو جھڑک دیا کہ تم مجھے نماز پڑھنے سے نہیں روک سکتے۔ اس پر ابوجہل نے کہا کہ تم مجھے اس طرح جھڑک رہے ہو، یاد رکھو! میرے ساتھ بہت بڑا جتھا ہے، کسی وقت میں اس جتھے کو لا کر تمہاری خبر لے لوں گا ــــــ العیاذ باللہ العلی العظیم ــــــ اور یہ بھی کہا کہ اگر آئندہ میں نے تمہیں مسجدِ حرام میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنا پاؤں تمہاری گردن پر رکھ کر تمہارا گلا گھونٹ دوں گا ــــــ معاذ اللہ ــــــ اس قسم کے گستاخانہ الفاظ اس نے کہے۔ اس موقع پر اگلی آیات نازل ہوئیں۔ فرمایا:

ابوجہل سرکشی پر آمادہ ہو گیا

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ

یعنی حقیقت یہ ہے کہ انسان سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے ــــــ انسان سے مراد یہاں ابوجہل ہے کہ ابوجہل سرکشی پر آمادہ ہو گیا ہے ــــــ سرکشی پر کیوں آمادہ ہو گیا ہے؟ "اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۭ" کیونکہ اس نے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھا ہوا ہے، یعنی ایک طرف تو اس کے پاس مال و دولت کے انبار ہیں، دوسری

طرف اس کا قبیلہ اور خاندان ہے، اور اس قبیلے پر اس کو ناز ہے کہ یہ میری مدد کرے گا، اور میں جو کچھ کہوں گا، یہ اس کی تعمیل کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ تو چونکہ اس نے اپنے آپ کو ہر ایک سے بے نیاز سمجھا ہوا ہے، اس لئے سرکشی پر آمادہ ہو گیا ہے، اور اللہ کے راستے میں نہ صرف یہ کہ وہ خود نہیں چلتا، بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اللہ کے راستے میں چلتے ہیں تو ان کے راستے میں رکاوٹ ڈالتا ہے، اور ان کو منع کرتا ہے۔

اپنے آپ کو بے نیاز سمجھنا حماقت ہے

اگرچہ یہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں الفاظ عام استعمال فرمائے، ابوجہل کا نام نہیں لیا، بلکہ یہ فرمایا کہ برے انسان کی یہ خاصیت ہوتی ہے کہ جب وہ اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے تو سرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے، مثلاً اگر کسی شخص کو مال و دولت بہت مل گیا، اور وہ بڑا مالدار ہو گیا تو وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اب مجھے کسی کی ضرورت نہیں، اب میں سب کام ان پیسوں کے ذریعہ سے کرلوں گا، اس کے نتیجے میں اس کے اندر تکبر، فخر اور سرکشی پیدا ہو جاتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ تنبیہ فرما رہے ہیں کہ دولت مند ہونے کی بنیاد پر اور امیر ہونے کی وجہ سے آدمی اپنے آپ کو بے نیاز سمجھے تو یہ اس کی انتہائی حماقت کی بات ہے، اس لئے کہ یہ مال و دولت بھی اللہ تعالیٰ ہی کا عطا کیا ہوا ہے، وہ جب چاہے، اس کو واپس لے سکتا ہے۔

ایسی مالداری سے اللہ کی پناہ

کتنے انسان ہیں جو مال و دولت کے اعتبار سے دوسرے انسانوں کے لئے قابلِ رشک تھے، لیکن جب حالت بدلی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے کے محتاج ہو گئے، اس واسطے مال و دولت کی بنیاد پر تکبر کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، اور دوسروں کو حقیر سمجھنا، دوسروں سے اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ کر سرکشی کا معاملہ کرنا، یہ انتہائی بدفطرتی کی بات ہے، اور کسی انسان کے لئے زیبا نہیں، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی کہ:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ غِنیً یُّطْغِیْنِیْ

اے اللہ! میں ایسی مالداری سے پناہ مانگتا ہوں، جو مجھے سرکش بنا دے، اگر اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے تو اس کا حق یہ ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، یہ نہیں کہ اس مال کی بنیاد پر سرکش بن جائے اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتانے لگے، اور دوسروں کے لئے ایک عذاب بن جائے، یہ کسی شکر گزار بندے کا شیوہ نہیں ہوتا ______

مالداری کی اکڑ اور فقر و فاقہ کی ذلت سے پناہ مانگو

ایک اور موقع پر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ بَطَرِ الْغِنٰی وَمَذَلَّةِ الْفَقْرِ

اے اللہ! میں آپ سے مالداری کی اکڑ سے پناہ مانگتا ہوں، کہ دل

میں مالداری کی وجہ سے اکڑ پیدا ہوجائے، تکبر پیدا ہوجائے، اور اس کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو حقیر سمجھنے لگوں، اس سے پناہ مانگتا ہوں، اور ساتھ میں فقر و فاقہ کی ذلت سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ فقر کی وجہ سے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے پر مجبور ہوجاؤں، یا دوسرے کے ہاتھوں ذلت اٹھانی پڑے، میں اس سے پناہ مانگتا ہوں۔

بے نیازی کے مختلف اسباب

بہرحال! بعض اوقات مال و دولت کی وجہ سے انسان کو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ میں بے نیاز ہوگیا ہوں اور اب میں جو چاہوں کرسکتا ہوں، اور ساری مخلوق کو وہ حقیر سمجھتا ہے، یہ سرکشی ہے ____ بعض اوقات کسی شخص کو کوئی اقتدار یا کوئی منصب یا کوئی عہدہ مل جاتا ہے، اور اس منصب اور عہدہ کی وجہ سے وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں سب کچھ ہوگیا، اور اس کی وجہ سے اس کے اندر سرکشی پیدا ہو جاتی ہے ____ بعض اوقات کسی شخص کو شہرت حاصل ہوگئی، اور اس شہرت کی وجہ سے وہ لوگوں میں مقبول ہوگیا۔ اس کی وجہ سے اس کے اندر اکڑ پیدا ہوجاتی ہے، ان ساری چیزوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا کہ

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ﴿٦﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾

کہ انسان اس وقت سرکشی پر آمادہ ہوجاتا ہے، جب وہ اپنے آپ کو مستغنی اور بے نیاز سمجھتا ہے کہ اب مجھے کسی کی حاجت نہیں، کسی کی ضرورت نہیں۔

تجھے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے

اس کے جواب میں اللہ جل شانہ نے صرف ایک جملہ ارشاد فرمایا:

اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ﴿٧﴾

یعنی تو جو اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ رہا ہے کہ مجھے کسی کی ضرورت نہیں، میں بذاتِ خود اپنی حاجتیں پوری کرسکتا ہوں، اور اس کی وجہ سے تو دوسروں کے ساتھ سرکشی کا معاملہ کر رہا ہے، تو یاد رکھ کہ تجھے اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹنا ہے ____ اس کے اندر دو باتیں ہیں ____ ایک یہ کہ اگر بالفرض دنیا کے اندر تیرا یہ مال و دولت کتنا ہی زیادہ ہوجائے، اور اس کی وجہ سے تو کتنے مزے کی زندگی گزار لے، لیکن اگر تو سرکشی کا معاملہ کرے گا تو بالآخر تجھے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوگی، اور اس پیشی کے اندر تجھے اپنی اس سرکشی کا حساب دینا ہوگا۔

سارا تکبر دھرا رہ جائے گا

لہٰذا تیرے دماغ میں مال و دولت کی وجہ سے جو تکبر پیدا ہوگیا ہے اور اپنے اقتدار، اپنی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے جو تکبر پیدا ہوگیا ہے، یہ سارا تکبر دھرا رہ جائے گا، وہاں پر سوائے احکم الحاکمین کے کسی کا حکم نہیں چلے گا، وہ ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝'' ہے، تجھے اپنی سرکشی کا حساب دینا ہوگا، اور اس کے نتیجے میں تجھے اس سرکشی کا جو عذاب بھگتنا ہوگا، وہ آج کے اس مال و دولت

کے مزوں سے کہیں زیادہ ہوگا____ ایک معنی تو اس آیت کے یہ ہوئے۔

دنیا کے اندر بھی تم دوسروں کے محتاج ہو

اس آیت کے اندر دوسرے معنی بھی پوشیدہ ہیں، وہ یہ کہ آدمی دنیا کے اندر کتنے ہی مال و دولت کا مالک بن جائے، اور اس کو کتنا بڑا اقتدار نصیب ہو جائے، لیکن اس کا یہ سمجھنا کہ میں دوسروں سے بے نیاز ہو گیا ہوں، یہ انتہائی درجہ کی حماقت ہے، ارے دنیا کے اندر بھی جو کچھ اس کو مل رہا ہے، اس میں بھی وہ ہر آن اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا محتاج ہے، یہ کھانا جو تم کھا رہے ہو، اس کھانے کو تمہارے منہ تک لانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتنی مخلوقات نے کام کیا ہے، یہ روٹی کا ایک ٹکڑا جو تم نے ایک لحہ میں اپنے حلق سے نیچے اتار دیا____ اس ٹکڑے پر ذرا غور کرو کہ یہ ٹکڑا کس طرح وجود میں آیا، کس طرح کس کسان نے بیج زمین میں ڈالا، اور اس بیج کو اللہ تعالیٰ نے مٹی کے تہہ میں نشوونما عطا فرمائی، اور اسی زمین کی تہہ میں اس کی تخلیق کر رہے ہیں، اس سے نباتات پیدا فرما رہے ہیں، تم تو ایک بیج ڈال کر فارغ ہو گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بڑھوتری پیدا فرمائی، یہاں تک کہ وہ ایک کونپل کی شکل میں پیدا ہو گیا، اور وہ کونپل بھی ایسی نازک کہ اگر ایک بچہ بھی اپنی انگلی سے اس کو مسل دے تو وہ ختم ہو جائے، لیکن وہ نازک کونپل سیکڑوں من مٹی کا پیٹ پھاڑ کر زمین سے برآمد ہوتی ہے، کون ہے جو اس کونپل میں یہ طاقت دے رہا ہے؟ پھر اس کونپل کو پودا کس نے بنایا؟ اس پودے کو درخت بنانے والی کون ذات ہے؟ اس پر دانے اگانے والی کون ذات ہے؟ کیا تمہارے اندر یہ طاقت تھی کہ یہ سارے کام

کر لیتے؟ اور پھر اس دانے کو کس طرح توڑا گیا؟ کس طرح اس کو پیسا گیا؟ اور کس طرح دور دراز سے تمہارے پاس پہنچا، اور کس طرح اس کی روٹی بنائی گئی، تب جا کر ایک لقمہ تمہارے حلق تک پہنچا____

تم ہر چیز میں اللہ کے محتاج ہو

تم ایک ایک لقمہ میں اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، تم تو یہ سمجھ رہے ہو کہ میں ہر چیز سے بے نیاز ہو گیا ہوں، اس وجہ سے کہ تمہارے پاس مال و دولت کے ڈھیر لگ گئے ہیں۔ اگر فرض کرو کہ تمہارے پاس مال و دولت کے ڈھیر ہوں، لیکن روٹی پکانے کے لئے تو آٹا چاہئے، اس لئے کہ اس دولت کو تو کھا کر تم اپنی بھوک نہیں مٹا سکتے، اس کے لئے تو آٹا چاہئے، اس کے لئے تو چاول چاہئے، اس کے لئے تو گوشت چاہئے، اس کے لئے تم کو بازار سے ان چیزوں کو خریدنا ہوگا، اگر فرض کرو کہ بازار میں آٹا ہی فروخت نہیں ہو رہا ہے تو تمہارے پیسے تمہیں کیا کام آئیں گے؟____ یہ تو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا نظام ہے کہ اس نے مختلف لوگوں کو مختلف روزگار میں لگا دیا ہے، کوئی کسان ہے جو زمین میں گندم اگا رہا ہے، کوئی انسان اس گندم کو پیس رہا ہے، کوئی اس کو بازار میں لا کر فروخت کر رہا ہے، اگر یہ ساری باتیں ختم ہو جائیں تو پھر تمہارا پیسہ تمہارے کسی کام نہیں آ سکتا____

بالآخر اللہ کی طرف رجوع کرنا ہوگا

لہٰذا ہر ہر قدم پر، ہر ہر مرحلے پر تم ان دوسرے لوگوں کے محتاج ہو جن کو

اللہ تعالیٰ نے تمہاری خدمت کے لئے پیدا فرمایا ہے، کتنے انسان اور کتنے جانور تمہاری خدمت میں لگے ہوئے ہیں____ لہٰذا ہر چیز میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہوگا____ اگر فرض کرو آٹے کا قحط پڑ جائے، اور بازار میں آٹا ملنا بند ہو جائے تو اس وقت اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اور کہو کہ یا اللہ! اپنے فضل سے اپنی رحمت سے اس قحط کو ختم فرما دیجئے۔ اس لئے فرمایا کہ:

إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ﴿٨﴾

بالآخر تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا، کتنا ہی تم اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ لو، اور کتنا ہی تم دولت سے مالا مال ہو جاؤ، صاحبِ اقتدار بن جاؤ، لیکن آخر میں تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا____

دنیا و آخرت دونوں میں تم اللہ کے محتاج ہو

بہر حال! یہ دونوں باتیں اس آیت کے اندر موجود ہیں، ایک یہ کہ تم دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کئے بغیر اپنی حاجتیں پوری نہیں کر سکتے، تمہاری کوئی حاجت ایسی نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے بغیر پوری ہو جائے، لہٰذا دنیا میں بھی تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے، اور مرنے کے بعد بھی تمہارا اللہ تعالیٰ سے سامنا ہوگا، وہی تمہیں تمہارے اعمال کی جزا اور سزا عطا فرمائے گا۔

ان نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرو

لہٰذا انسان کے دل میں یہ جو گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے کہ میں مال و دولت کی

وجہ سے بے نیاز ہو گیا، یا اقتدار کی وجہ سے بے نیاز ہو گیا، یہ گھمنڈ کسی صحیح الفکر انسان کے دل میں پیدا نہیں ہونا چاہئے، اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں کوئی نعمت دی ہے، چاہے وہ نعمت پیسے کی شکل میں ہو، یا اقتدار کی شکل میں ہو، یا شہرت کی شکل میں ہو، اس کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرو، اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارو، اور دوسری مخلوقِ خدا کے ساتھ رحم کا معاملہ کرو، اور دوسری مخلوق کی مدد کرنے کی کوشش کرو، اس کو بھی اپنا بھائی سمجھو، اور اس پر اپنی بڑائی جتانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ ہے صحیح طریقہ____ نہ یہ کہ انسان اپنے آپ کو بے نیاز سمجھ کر دوسروں کے لئے مصیبت بن جائے، اور دوسروں کے ساتھ تکبر کا معاملہ شروع کر دے۔

خلاصہ:

بہر حال! ان تین آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ سبق عطا فرمایا ہے، یہ بات دراصل ابوجہل سے متعلق تھی، لیکن قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ بات کسی سے بھی متعلق ہو، لیکن اس سے دوسروں کو سبق دیتا ہے، وہ سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا حق یہ ہے کہ اس کا شکر ادا کرو، اور ان نعمتوں کی وجہ سے تکبر اور گھمنڈ اور بڑائی کو اپنے دل میں نہ لاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سبق پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○

✿

”سجدہ“ اللہ کے قرب کا ذریعہ

(تفسیر سورۃ العلق)

6

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

بیس لاکھ نیکیاں حاصل کیجئے

جو شخص ایک مرتبہ یہ کلمات پڑھے گا اس کے لئے بیس لاکھ نیکیاں لکھی جائیں گی۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اَحَدًا صَمَدًا لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (روایت: طبرانی)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

’’سجدہ‘‘ اللہ کے قرب کا ذریعہ

تفسیر سورۃ العلق

6

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۲﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ

يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾ كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾ (سورہ العلق: ۹ تا ۱۸)

آمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ علق کی آخری آیات ہیں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، اور اس سورۃ کی تشریح کا بیان چند جمعوں سے چل رہا ہے ___ جیسا کہ گزشتہ جمعہ میں عرض کیا تھا کہ یہ آیات ایک خاص واقعہ پر نازل ہوئی تھیں کہ نبی کریم ﷺ جب مسجدِ حرام میں نماز پڑھا کرتے تھے تو ابوجہل جو آپ ﷺ کا دشمن تھا، وہ آپ ﷺ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا، کئی بار اس نے روکا تو ایک مرتبہ اس کے روکنے پر حضور اقدس ﷺ نے اس کو جھڑک دیا تو اس پر اس نے کہا کہ میرا بہت بڑا خاندان اور کنبہ ہے، اگر آپ ﷺ نے یہ نماز جاری رکھی تو میں ان سب کو آپ ﷺ کے اوپر حملہ کرنے کا حکم دیدوں گا۔ سرکارِ دو عالم ﷺ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اپنی نماز جاری رکھی، پھر ایک مرتبہ جب اس نے حضورِ اقدس

ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا تو اس نے کہا کہ اگر آئندہ آپ ﷺ نے نماز پڑھی، یا سجدہ کیا تو میں آپ ﷺ کی گردن کو پاؤں سے کچل دوں گا ـــــ العیاذ باللہ العلی العظیم ـــــ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کیں۔

''بندے'' کو نماز پڑھنے سے روک رہا ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَرَءَيْتَ ٱلَّذِى يَنْهَىٰ ۝٩ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰٓ ۝١٠

''أَرَءَيْتَ'' یہ عربی زبان میں تعجب کے موقع پر بولا جاتا ہے، جس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیا تم نے اس شخص کو دیکھا؟ اور اس کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذرا اس شخص کا حال تو بتاؤ جو ایک اللہ کے بندے کو روک رہا ہے، جب وہ بندہ نماز پڑھتا ہے، یعنی نماز پڑھنے سے روک رہا ہے ـــــ اس آیت میں ''عَبْدًا'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ ''عَبْدًا'' کے معنی ہوتے ہیں ''بندہ'' اور اس سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہیں ـــــ

انسان کی عظمت کا اعلیٰ مقام ''بندہ'' ہونا ہے

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی کوئی اور صفت ذکر نہیں فرمائی، بلکہ فرمایا ''بندہ'' اس سے ایک طرف تو یہ اشارہ فرمایا کہ انسان کی عظمت اور بڑائی کا سب سے اعلیٰ مقام یہ ہے کہ وہ اللہ کا کامل بندہ بن جائے، اللہ کی بندگی

یہ انسان کی سب سے بڑی عظمت ہے ـــــ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں حضورِ اقدس ﷺ کے عالی مقام کا تذکرہ فرمایا، اس مقام پر حضورِ اقدس ﷺ کے لئے ''عبد'' کا لفظ استعمال فرمایا: چنانچہ معراج کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

سُبْحَٰنَ ٱلَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ
إِلَى ٱلْمَسْجِدِ ٱلْأَقْصَا (الإسراء:۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ کی طرف لے گئی۔ یعنی معراج کے لئے لے گئی ـــــ اس موقع پر حضورِ اقدس ﷺ کے لئے ''بندہ'' کا لفظ استعمال فرمایا ـــــ

سب سے اعلیٰ صفت ''بندگی'' ہے

اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان کے اندر جتنی بھی صفات کمال کی ہو سکتی ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کا کامل بندہ بن جائے۔ ''بندگی'' انسان کی معراج ہے، اور بندگی کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی زندگی کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنالے ـــــ بہرحال! ان آیات میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ ایک ایسا بندہ جس نے اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان بنا رکھی ہے، وہ نماز پڑھتا ہے تو یہ اس کو نماز پڑھنے سے روکتا ہے۔

ایسے شخص کو نماز سے روکنا ”کمینگی“ ہے

پھر آگے فرمایا کہ یوں تو کسی بھی شخص کو نماز سے روکنا بہت بڑا گناہ اور بہت بری بات ہے، خاص طور پر وہ شخص جس کو نماز سے روکا جارہا ہو، وہ ایسا شخص ہو کہ:

اَرَءَيۡتَ اِنۡ كَانَ عَلَى الۡهُدٰٓىۙ ﴿۱۱﴾ اَوۡ اَمَرَ بِالتَّقۡوٰىؕ ﴿۱۲﴾

ذرا بتاؤ، وہ شخص جس کو روکا جارہا ہے، اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکمل ہدایت پر ہو، یا وہ دوسرے لوگوں کو تقویٰ کا حکم دیتا ہو، تقویٰ کی تاکید کرتا ہو، یعنی خود بھی وہ ہدایت پر ہو، اور دوسروں کو بھی ہدایت پر آنے کی دعوت دے رہا ہو، اگر ان صفات کا بندہ ہو تو اس کو روکنا تو اور زیادہ کمینگی کی بات ہے ــــــ

شریعت نماز سے روک سکتی ہے

یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات ایسے ہیں جن میں شریعت نے ہی نماز پڑھنے سے منع کر دیا ہے، مثلاً فجر کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک نفلیں پڑھنا منع ہے، اب اگر کوئی نادانی کی وجہ سے اس وقت نفلیں پڑھ رہا ہے، اور دوسرا شخص اس کو نماز سے روکے کہ بھائی، یہ نماز کا وقت نہیں ہے، اس وقت نماز پڑھنا جائز نہیں ہے تو یہ شریعت کی اور اللہ کے حکم کی تعمیل ہے ــــــ اس طرح عین اس وقت جب آفتاب طلوع ہو رہا ہو، یا غروب ہو رہا ہو، یا زوال کا وقت ہو، ان تین اوقات میں شریعت نے نماز پڑھنے کی ممانعت کی ہے، اور تعالیٰ

کا حکم یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز نہ پڑھو ــــــ

تقدس اللہ کے حکم سے آتا ہے

اس ممانعت کے ذریعہ دراصل یہ بتانا منظور ہے کہ کوئی عمل اپنی ذات میں تقدس نہیں رکھتا، اگر کسی عمل میں تقدس آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ نماز پڑھو، اس وقت نماز پڑھنے میں تقدس ہے، اور جب اللہ تعالیٰ فرمائیں کہ نماز مت پڑھو، اس وقت نماز چھوڑنے میں تقدس ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ حکم نہیں ہے ــــــ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین اوقات ایسے ہیں، جن میں نماز پڑھنا منع ہے، ایک طلوعِ آفتاب کے وقت، ایک غروبِ آفتاب کے وقت، اور ایک استوائ کے وقت جب سورج بالکل سر کے اوپر ہو، جسے ہم زوال کا وقت کہتے ہیں، ان میں نماز پڑھنا منع ہے، اسی طرح فجر کے بعد یا عصر کے بعد قضا نمازیں تو پڑھنا جائز ہے، لیکن نفل نمازیں اس وقت میں منع ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ــــــ

ورنہ نماز سے روکنا بڑا جرم ہے

بہرحال! اگر کوئی آدمی ان اوقاتِ ممنوعہ کی وجہ سے کسی کو نماز پڑھنے سے روکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ وہ شریعت کے حکم کے مطابق روک رہا ہے، یا مثلاً کسی شخص نے کسی ایسی جگہ پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنی شروع کر دی،

جس سے دوسرے لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے، مثلاً راستے میں نماز پڑھنے کھڑا ہو گیا اور لوگوں کا راستہ بند کر دیا، ایسا کرنا منع ہے اور ناجائز ہے، اگر کوئی شخص اس کو اس جگہ پر نماز پڑھنے سے روکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، بہرحال! اگر کوئی شخص دوسرے کو نماز پڑھنے سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق روکے، یا نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق روکے تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر کوئی شخص ٹھیک ٹھیک نماز پڑھ رہا ہے اور صحیح وقت میں نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو روکنا کسی طرح بھی مناسب نہیں، اسی لئے فرمایا کہ:

أَرَءَيْتَ إِن كَانَ عَلَى الْهُدَىٰٓ ﴿١١﴾ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰٓ ﴿١٢﴾

ذرا یہ بتاؤ کہ جس شخص کو روکا جا رہا ہے وہ ہدایت کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے، وہ اپنی طرف سے غلط وقت میں اور غلط طریقے سے نماز نہیں پڑھ رہا ہے، اس کو روکنا کتنا بڑا جرم ہے۔

نماز سے روکنے والے کا حال

پھر آگے فرمایا:

أَرَءَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰٓ ﴿١٣﴾

ذرا یہ بھی تو دیکھو کہ روکنے والے کا کیا حال ہے؟ جس کو روکا جا رہا ہے، اس کا حال تو یہ ہے کہ وہ خود بھی ہدایت پر ہے اور دوسروں کو بھی ہدایت کی طرف بلا رہا ہے، اور جو شخص روک رہا ہے اس کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کئے ہوئے حکم کو جھٹلا رہا ہے، اور اس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت

سے منہ موڑا ہوا ہے ____

اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے

آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾

کیا اس کو پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے ____ یعنی اس کا یہ کہنا بھی دیکھ رہا ہے، اس کا یہ انداز بھی دیکھ رہا ہے، اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ گستاخی کرنا بھی دیکھ رہا ہے، یہ چھوٹی سی تنبیہ اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو چونکہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرنے والے ہیں، لہٰذا حق کو بھی جانتا ہے، باطل کو بھی وہ جانتا ہے، انصاف کو بھی وہ جانتا ہے، ناانصافی کو بھی وہ جانتا ہے، صرف اتنی بات بھی ایک باہوش انسان کے لئے کافی ہونی چاہئے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے تو میں کوئی ایسا اقدام نہ کروں، جو کل کو میرے لئے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنے ____

ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں

اس کے ذریعہ ہم سب کو بھی یہ سبق دیدیا گیا کہ جب بھی کوئی کام کرو تو یہ سوچ کر کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں میں یہ بات بٹھا دے کہ ہم ہر وقت اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں، ہماری کوئی نقل و حرکت، ہماری کوئی حرکت و سکون، زبان سے نکلنے والی کوئی بات، اعضاء سے صادر ہونے والا

کوئی عمل، ایسا نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہ ہو، اگر یہ بات ہمارے دلوں میں بیٹھ جائے تو ہماری زندگی سنور جائے، ہم سے گناہ سرزد نہ ہوں____ گناہ ہم سے اس لئے سرزد ہوتے ہیں کہ ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں____

تمہاری نگرانی ہو رہی ہے

امریکہ کے خلائی جہازوں کا مرکز ''ناسا'' جو ''ہیوسٹن'' کے قریب بہت بڑا مرکز ہے، سالہا سال پہلے ایک مرتبہ مجھے وہاں جانے کا اتفاق ہوا، وہاں سے خلائی جہاز اڑائے جاتے ہیں، میں نے دیکھا کہ وہ بہت حساس جگہ ہے، اور تمام خلائی جہازوں کا کنٹرول وہاں سے ہوتا ہے، اور دیکھنے والوں کو وہ لوگ بالکل کنٹرول روم تک لیجاتے ہیں، وہاں پر یہ دکھاتے ہیں کہ خلائی جہازوں کو کس طرح کنٹرول کیا جاتا ہے، اتنی حساس جگہ ہے، لیکن وہاں پر نہ کوئی پولیس، نہ فوج، نہ چوکیدار، نہ حفاظتی عملہ، نہ کوئی چیکنگ____ یہ میں ۹/۱۱ سے پہلے کی بات کررہا ہوں، لیکن جب ہم عمارت میں داخل ہوئے تو وہاں پر ایک بہت بڑا بورڈ لگا ہوا تھا، اور اس بورڈ پر یہ لکھا ہوا تھا:

Your are being watched.

یعنی تمہاری نگرانی ہورہی ہے____ یعنی کسی اور جگہ بیٹھ آپ کی ایک ایک نقل وحرکت کو دیکھا جارہا ہے کہ آپ کیا کررہے ہیں____ یہ بورڈ پڑھ کر ہر آدمی چوکنا ہو جاتا ہے کہ میں سیدھے سیدھے چلوں، اور کوئی ایسی ناروا حرکت نہ

کروں، جس کی وجہ سے پکڑا جاؤں____ مجھے اس وقت خیال آیا کہ یہاں یہ بورڈ دیکھ کر سب لوگ چوکنے ہو گئے ہیں: اور اپنی ہر نقل وحرکت پر نگاہ کئے ہوئے ہیں کہ کوئی غلطی سرزد نہ ہو____ لیکن اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے ہی فرمادیا تھا کہ:

أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾

کیا انسان کو پتہ نہیں ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے؟ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ○ (احزاب: ۲) یہ اعلان قرآن کریم نے ہمارے لئے چودہ سو سال پہلے کررکھا ہے، تو جس طرح وہاں بورڈ دیکھ کر لوگ چوکنے ہو جاتے ہیں، کاش اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کے اندر یہ احساس پیدا فرمادے کہ ہر آن ہماری نگرانی ہو رہی ہے، ہر آن ہمیں دیکھا جارہا ہے تو ہماری زندگی سنور جائے۔

اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ!!

آگے اللہ تعالیٰ نے ابوجہل کی اس حرکت پر فرمایا:

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾ كَلَّا (سورہ العلق: ۱۵تا۱۸)

''کلّا'' کا لفظ عربی زبان میں بڑا معنی خیز ہے، اردو ترجمہ کرکے اس کے پورے مفہوم کو ادا کرنا بھی آسان نہیں ہے، اس کا لفظی ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ ''ہرگز نہیں'' یعنی اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اگر وہ اپنی اس حرکت سے

اور اپنی ان دھمکیوں سے باز نہ آیا جو وہ نبی کریم ﷺ کو دے رہا ہے، تو ہم ضرور اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹیں گے، پیشانی کے بال اگر لمبے ہوں، اور کسی کے ہاتھ میں آجائیں تو آدمی اس کے آگے مجبور ہو جاتا ہے، اور یہ پیشانی جھوٹ بولنے والی اور خطا کار پیشانی ہے ___ اور وہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ میرے بہت سے حمایتی ہیں، میرا بڑا کنبہ ہے تو وہ اپنے حمایتیوں کو بلالے ___ اپنی ساری مجلس کو، اپنے سارے مجمع کو بلالے ___ ہم بھی اپنے فرشتوں کے دستوں کو بلالیں گے، ''الزَّبَانِيَةَ'' فرشتوں کے ایک دستہ کا نام ہے ___ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے، کیونکہ اگر فرشتے آگئے تو اس کے بعد پھر کسی کی مجال نہ ہوگی، چاہے اس کا کتنا ہی بڑا گروہ ہو، کتنا ہی بڑا لشکر ہو، وہ ان فرشتوں کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔

پھر دھمکی دینا چھوڑ دی

چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان آیات کے نازل ہونے کے بعد ابوجہل نے دھمکی دینا چھوڑ دیا تھا، اور کبھی اگر وہ اس کے بعد ایسی دھمکی دیتا تو فرشتے لوگوں کے سامنے آکر اس کی بوٹیاں نوچ لیتے ___ یہی معنی ہیں اس آیت کے ''سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾'' ہم ''زبانیہ'' کو یعنی فرشتوں کو بلالیں گے۔

سجدہ کرو اور میرے پاس آجاؤ

آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

حضورِ اقدس ﷺ سے خطاب ہے کہ ہرگز نہیں، ان کی کبھی بات نہ ماننا، یعنی اب بھی نہیں مانی، پہلے بھی نہیں مانی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف التفات بھی مت کرنا، اور اس کو قابلِ اعتناء بھی مت سمجھنا ___ اور سجدہ کرو، اور میرے پاس آجاؤ ___ یہ اتنا پیارا جملہ ہے جس پر اس سورت کو ختم فرمایا ہے، اس سے یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا سب سے اعلیٰ ترین ذریعہ سجدہ ہے، چنانچہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ اِلَى اللهِ تَعَالٰى فِي السُّجُوْدِ، فَاَكْثِرُوْا فِيْهِ الدُّعَاء

کہ بندہ اپنے اللہ سے سب سے زیادہ قریب سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے، لہٰذا سجدہ کی حالت میں کثرت سے دعا کیا کرو۔

سجدے میں دعائیں مانگنا

فرائض میں تو اختصار مطلوب ہے، اس لئے فرائض میں سجدہ کے اندر معروف تسبیح ''سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى'' پر اکتفا کرنا زیادہ بہتر ہے، لیکن نفلی نمازوں کے اندر حضورِ اقدس ﷺ سے بھی ثابت ہے، اور صحابہ کرام W سے بھی، اور اس حدیث سے بھی ثابت ہے کہ نفلی نمازوں میں دعائیں مانگنی چاہئیں، نبی کریم ﷺ سے سجدے کی حالت میں کی ہوئیں بہت سی دعائیں منقول ہیں ___ حضرت عائشہ صدیقہ r فرماتی ہیں کہ ایک رات میں بیدار ہوئی، اور

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے قریب نہیں پایا، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگی، کمرے میں اندھیرا تھا، میں نے ہاتھ سے ٹٹولا تو میرا ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے انگوٹھے پر پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سجدہ کی حالت میں تھے، اور طویل سجدہ فرما رہے تھے، اور سجدہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرما رہے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ

اے اللہ! میں آپ کی ناراضگی سے آپ کی رضامندی کی پناہ مانگتا ہوں، اور آپ کے عذاب سے آپ کی معافی کی پناہ مانگتا ہوں ___

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدہ کی حالت میں بہت سی دعائیں ثابت ہیں۔

سجدے کی دعائیں

قرآن کریم کی جو دعائیں ہیں جیسے یہ دعا:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ (بقرہ، آیت ۲۰۱)

اور جیسے یہ دعا:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا (آل عمران: ۱۴۷)

یہ دعائیں بھی سجدے کی حالت میں مانگی جاسکتی ہیں، اور جو دعائیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں، جو مسنون دعاؤں کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں، وہ

دعائیں بھی سجدے کی حالت میں مانگی جاسکتی ہیں، مگر عربی زبان میں ہونی چاہئیں، اس لئے کہ نماز عربی میں ہوتی ہے، لہٰذا عربی زبان میں جتنی چاہیں دعائیں کرے، اسی لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فَاَكْثِرُوْا فِیْهِ الدُّعَاءَ

سجدہ کا مقام بلند

اس لئے کہ سجدے کی حالت میں بندے کا اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریبی رشتہ قائم ہوتا ہے، اس لئے فرمایا کہ سجدہ کرو، اور میرے پاس آجاؤ، اتنے پیارے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کوئی بندہ یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے قریب جانا چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ اس کا آسان راستہ ہے، وہ یہ کہ میرے آگے سجدہ کرو، اور قریب آجاؤ ___ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ سجدے کی لذت سے آشنا فرماتے ہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ:

سر بر قدمِ حسن، قدم ہر کلاہ و تاج

یعنی جب آدمی سجدہ کرتا ہے، اور اللہ کی بارگاہ میں پیشانی ٹیکتا ہے تو ساری کائنات اس کے قدم کے نیچے ہوتی ہے ___ سجدہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا فرمایا ہے:

سجدے کی مسنون تسبیح

اور سجدے میں جو تسبیح مسنون ہے وہ یہ ہے:

سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

بندہ اپنے آپ کو سب سے نیچے ڈال کر، اپنی پیشانی کو اس کے آگے ٹیک کر باری تعالیٰ کی علو شان کا قصیدہ پڑھتا ہے کہ: ''سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی'' پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے اعلیٰ ہے، جب اس کا واسطہ دے کر سجدے کی حالت میں دعا مانگی جاتی ہے، تو وہ دعا انشاء اللہ مقبول ہے، لہٰذا کثرت سے سجدہ کرنا، اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے ــــ یہ بات بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جملہ کے اندر سکھادی ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب کوئی پریشانی پیش آتی تو جلد از جلد نماز کی طرف رجوع کرتے تھے، تاکہ نماز کے دوران جب سجدے میں جائیں گے تو اس وقت عرض معروض پیش کریں گے اور دعا کریں گے۔

اعلیٰ ترین وظیفہ

آج کل لوگ عملیات اور وظیفوں کے چکر میں پڑے رہتے ہیں، لیکن سب سے اعلیٰ ترین وظیفہ یہ ہے کہ جب کوئی پریشانی ہو، جب کوئی حاجت پیش آئے تو اس موقع کے لئے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ دو رکعت صلاۃ الحاجت پڑھو، اور اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوجاؤ، اور اللہ تعالیٰ سے مانگو، اس سے بہتر وظیفہ، اس سے بہتر کوئی اور عمل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی حقیقت سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ہم سب پر سجدہ واجب ہوگیا

یہاں یہ بات بھی عرض کردوں کہ یہ آخری آیت جو میں نے ابھی آپ کے سامنے پڑھی ہے، یہ سجدہ تلاوت کی آیت ہے، اور جب یہ آیت تلاوت کی جائے تو تلاوت کرنے والے پر بھی سجدہ واجب ہوجاتا ہے، اور سننے والے پر بھی سجدہ واجب ہوجاتا ہے، البتہ اگر ایک ہی مجلس میں یہ آیت بار بار پڑھی گئی ہو، یا بار بار سنی گئی ہو، تو ایک ہی سجدہ کافی ہوتا ہے، میں نے یہ آیت کئی مرتبہ پڑھی ہے، لیکن چونکہ ایک ہی مجلس میں پڑھی ہے، اس لئے ہم سب کے ذمہ ایک سجدہ کرنا واجب ہوگیا، اور بہتر یہ ہے کہ جلد از جلد کرلیا جائے۔

آؤ سب مل کر سجدہ کریں

ایک مرتبہ حضرت فاروقِ اعظم t جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے، اور اس کے دوران انہوں نے ایک ایسی تلاوت کی، جس کی تلاوت پر سجدہ کرنا واجب ہوتا ہے، تو آپ t نے اسی وقت تمام حاضرین سے فرمایا کہ ہم پر سجدہ واجب ہوگیا ہے، آؤ سب مل کر سجدہ کرو ــــ آج ہم اس سنت پر عمل کرلیتے ہیں، اس بیان کے اختتام پر سب لوگ سجدہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

✿

انسان سب سے بہترین مخلوق ہے

(تفسیر سورۃ والتین)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

بسم الله الرّحمٰن الرّحیم

انسان سب سے بہترین مخلوق ہے

تفسیر سورۂ والتین

1

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ۝١ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ

تَقْوِيْمٍ ۝٤ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝٥ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٦ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨ (سورہ والتین)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَالشّٰكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

سورۃ والتین کا خلاصہ

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ سورۃ والتین ہے جو ابھی میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، یہ سورت بھی بکثرت نمازوں میں پڑھی جاتی ہے، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، وہ بار بار یہ سورت سنتے رہتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کو یہ سورت یاد بھی ہوتی ہے، اس مبارک سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی تخلیق اور اس کی پیدائش کے بارے میں اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا ذکر بھی فرمایا ہے، اور ساتھ میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا ہے۔ لیکن جو لوگ ان صلاحیتوں کو غلط استعمال کرتے ہیں اور ان صلاحیتوں کو صحیح طور پر کام میں نہیں لاتے، ان کا انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ بدترین مخلوق بن جاتے ہیں____ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف

المخلوقات بنایا ہے۔ بہترین مخلوق بنایا ہے، لیکن اگر انسان ان صلاحیتوں کا غلط استعمال کرے تو وہ بدترین مخلوق بن جاتا ہے۔ یہ بات وہ ہے جو تمام انبیاء کرام تمام انسانوں کو شروع ہی سے بتاتے چلے آرہے ہیں۔ یہ اس سورت کا خلاصہ اور مرکزی مضمون ہے۔

چار چیزوں کی قسم

لیکن قرآن کریم نے اس بات کو مدلل اور مؤثر انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَالتِّيۡنِ وَ الزَّيۡتُوۡنِۙ ﴿۱﴾ وَ طُوۡرِ سِيۡنِيۡنَۙ ﴿۲﴾ وَ هٰذَا الۡبَلَدِ الۡاَمِيۡنِۙ ﴿۳﴾ لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِىۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِيۡمٍ ﴿۴﴾

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے پہلے چار چیزوں کی قسم کھائی، فرمایا کہ قسم ہے انجیر کی، اور قسم ہے زیتون کی، اور قسم ہے کوہ طور کی صحراء سینا میں واقع ہے، اور قسم ہے اس امن والے شہر یعنی مکہ معظمہ کی ــــ ان چار چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو بہترین تقویم کے ساتھ بہترین قوام کے ساتھ پیدا کیا ہے ــــ یہ بات بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کو قسم کھانے کی ضرورت نہیں

ان قسموں کا کیا مطلب ہے؟ پہلی بات تو یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی

بات پر یقین دلانے کے لئے کسی قسم کی ضرورت نہیں، عام طور پر قسم وہ شخص کھاتا ہے جس کی بات پر لوگوں کو بھروسہ نہ ہو۔ اور لوگوں کو اندیشہ ہو کہ وہ بات غلط کہہ رہا ہے، تو پھر وہ قسم کھا کر اپنی بات کی تائید کرتا ہے اور اس بات میں زور پیدا کرتا ہے اور لوگوں کو اپنی بات کا یقین دلاتا ہے، اللہ جل شانہ جب کوئی بات ارشاد فرمائیں تو جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، اس کو کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کے کھانے کی ضرورت نہیں۔

یقین دلانے کیلئے قسم کھائی

بعض اوقات اللہ تعالیٰ اس غرض سے قسم کھاتے ہیں تا کہ سننے والے کے دل میں آگے آنے والی بات کی اہمیت پیدا ہو، جس طرح انسان ایک دوسرے کو قسم کے ذریعہ اپنی بات کا یقین دلاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اسی انداز میں انسان سے خطاب کرتے ہوئے اس کو مزید یقین دلانے کے لئے اور مزید تاکید کے لئے بعض اوقات قرآن کریم میں مختلف چیزوں کی قسمیں کھاتے ہیں ــــ عام طور پر تو یہ ہوا ہے کہ جس چیز کی قسم کھائی ہے اگر ان پر غور کیا جائے تو جو بات قسم کے بعد کہی جارہی ہے وہ قسم اس کی دلیل ہوتی ہے، اور عربی زبان کی بلاغت اور فصاحت کا بھی ایک تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے، تاکید پیدا کرنے کے لئے، اور مؤثر بنانے کے لئے قسمیں کھائی جاتی ہیں۔

انجیر اور زیتون کی قسم سے حضرت عیسیٰ u کی طرف اشارہ

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے انجیر کی، زیتون کی، اور طور سینین یعنی کوہ طور کی اور اس امن والے شہر یعنی مکہ مکرمہ کی قسم کھائی ہے، حضرات مفسرین نے فرمایا کہ درحقیقت اگر غور کیا جائے تو ان چار چیزوں کی قسموں کے ذریعہ درحقیقت تین مختلف انبیاء کرام q کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے____ حضرت عیسیٰ u جہاں پیدا ہوئے، اور جہاں ان پر انجیل نازل ہوئی، اور جہاں پر انہوں نے اپنے دین کی دعوت وتبلیغ فرمائی، وہ ''فلسطین'' کا علاقہ ہے اور یہ وہ علاقہ ہے جہاں انجیر اور زیتون بکثرت پیدا ہوتا ہے، ساری دنیا میں اس وقت سب سے بہترین زیتون اور سب سے بہترین انجیر کثرت کے ساتھ ''فلسطین'' میں پائے جاتے تھے۔ لہٰذا انجیر اور زیتون سے درحقیقت اس سرزمین کی طرف اشارہ ہے جہاں یہ بکثرت پیدا ہوتے ہیں، یعنی ''فلسطین'' اور ''فلسطین'' کا حوالہ دے کر درحقیقت حضرت عیسیٰ u کی شریعت کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ u جو پیغام لے کر آئے تھے۔ اس کی قسم کھائی جارہی ہے۔

طور سینین سے حضرت موسیٰ u کی طرف اشارہ

اس کے بعد فرمایا: ''وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ'' صحرائے سینا میں طور پہاڑ ہے، یہ وہ پہاڑ ہے جس کے اوپر حضرت موسیٰ u اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے، اور اسی کوہ طور پر حضرت موسیٰ u کو تورات تختیوں کی شکل میں عطا فرمائی گئی۔ لہٰذا طور

سینین کا حوالہ دے کر حضرت موسیٰ u کی شریعت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور ان کی طرف اتاری گئی کتاب تورات کی طرف اشارہ ہے اور حضرت موسیٰ u کی تعلیمات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

بلد امین سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ

اس کے بعد فرمایا: ''وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝'' یہ امن کا شہر یعنی مکہ مکرمہ، اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور مکہ ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہونے کا آغاز ہوا، اور مکہ مکرمہ ہی کے پہاڑ کے غار حرا میں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرمانا شروع کیا۔ لہٰذا اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کی طرف اشارہ ہے____

گویا کہ ان تینوں شریعتوں کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ آگے جو بات کہی جارہی ہے یہ وہ بات ہے جو حضرت عیسیٰ u نے بھی اپنی امت کو پہنچائی تھی، اور حضرت موسیٰ u نے بھی اپنی امت کو پہنچائی تھی، اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی امت کو پہنچائی____ اس طرح تینوں شریعتوں کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کی قسم کھائی ہے۔

زیادہ قسمیں کھانے سے بچو

یہاں ایک بات اور سمجھ لینے کی ہے، وہ یہ کہ انسان اس لئے قسم کھاتا ہے

تا کہ دوسرے لوگوں کو اس بات کا یقین آجائے کہ جو بات میں آگے کہہ رہا ہوں، وہ درست ہے ____ لیکن ساتھ ہی شریعت کا حکم یہ ہے کہ اوّل تو زیادہ قسمیں کھانا اچھی بات نہیں ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اس بارے میں یہ ہدایت عطا فرمائی ہے کہ زیادہ قسمیں کھانے سے بچو، کیونکہ جو آدمی زیادہ قسمیں کھانے کا عادی بن جاتا ہے تو بسا اوقات اس کو جھوٹ اور سچ کی پرواہ نہیں رہتی۔ اور انسان اگر سچی قسم کھا رہا ہو، تب بھی الفاظ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، اس کی وجہ سے وہ قسم الٹی پڑ جاتی ہے، اس لئے بلا وجہ سچی قسمیں بھی نہیں کھانی چاہئیں، اور جھوٹی قسم کھانا تو بہت بڑا گناہ ہے۔

کس چیز کی قسم کھانا جائز ہے؟

اور اگر کبھی قسم کھانا ہی پڑ جائے تو صرف وہی قسم جائز ہے جو یا تو اللہ تعالیٰ کے نام پر کھائی گئی ہو، یا قرآن کریم کی قسم کھائی گئی ہو، بس، اس کے علاوہ اور کسی مخلوق کی قسم کھانا، چاہے وہ مخلوق کتنا ہی بڑا پیغمبر ہو، اس کے نام کی قسم کھانا شریعت میں جائز نہیں ____ زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ لوگ اپنے باپ کی قسم کھایا کرتے تھے کہ میرے باپ کی قسم۔ میری ماں کی قسم، اور لوگوں کی زبانوں پر قسم کے یہ الفاظ چڑھے ہوئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: ''لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ'' یعنی اپنے باپ کے نام کی قسم مت کھاؤ، کیونکہ اللہ کے سوا کسی اور مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں۔

اللہ کیلئے مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے

لیکن یہ حکم ہمارے لئے ہے، جن کو اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو تو قسم کھانے کی ضرورت ہی نہیں ہے ____ پھر بھی اللہ تعالیٰ اس بنیاد پر قسم کھاتے ہیں کہ جس چیز کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ اگر تم اس پر غور کرو گے تو آگے جو بات کہی جا رہی ہے، وہ ثابت ہو جائے گی ____ اور اللہ تعالیٰ بہت سی ایسی چیزوں کی قسمیں کھاتے ہیں جو مخلوقات میں سے ہیں۔ جیسے یہاں پر انجیر کی، زیتون کی اور کوہ طور کی قسم کھائی، اور یہ ساری چیزیں مخلوقات میں سے ہیں، یہ درحقیقت کلام میں زور اور تاکید پیدا کرنے کے لئے کھائی گئی ہیں، لیکن ہمارے لئے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔

سب سے بہترین مخلوق انسان ہیں

بہرحال! ان چار چیزوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ ایک حقیقت بیان فرما رہے ہیں:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِيْٓ أَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤

یعنی یقینی طور پر ہم نے انسان کو بہترین قوام کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور سب سے بہترین ترکیب کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی اس کائنات میں جتنی مخلوقات پائی جاتی ہیں، چاہے وہ چاند ہو، سورج ہو، آسمان ہو، زمین ہو، بادل

ہو، ہوائیں ہوں، سمندر ہو، دریا ہو، یا دوسرے حیوانات ہوں، ان سب کے مقابلے میں سب سے بہترین مخلوق انسان ہے، اس سے زیادہ حسین اور اس سے زیادہ بہترین کوئی اور مخلوق نہیں، وہ اللہ جو اس پوری کائنات کے خالق ہیں، اور اس کائنات کا ذرہ ذرہ جن کی مشیت اور قدرت سے پیدا ہوا ہے، وہ یہ فرما رہے ہیں کہ اس کائنات میں انسان سے زیادہ بہترین مخلوق کوئی اور پیدا نہیں کی____

انسان کا پورا جسم احسن تقویم کی دلیل

اگر تم انسان کے جسم پر سر سے لے کر پاؤں تک غور کرو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تصدیق ہوتی ہے، سر سے لے کر پاؤں تک انسان کا جو وجود ہے، ان میں سے ہر ہر عضو باقاعدہ ایک کائنات ہے، جو لوگ علم ابدان سے اور علم طب سے واقف ہیں۔ ان کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ کسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، کس طرح انسان کا دماغ بنایا ہے، کس طرح اس کی آنکھیں بنائی ہیں، کس طرح اس کی ناک بنائی ہیں، کس طرح اس کے جسم میں میں رگیں پھیلائی ہیں، اور کس طرح اس کا چہرہ جو ایک بالشت کے برابر ہے، بنایا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اربوں پدموں انسان بنائے، لیکن کسی دو انسانوں کی شکل ایک جیسی نہیں ہوتی، ہر چہرہ میں فرق ہے، جس کی وجہ سے آپ پہنچان لیتے ہیں کہ یہ فلاں انسان ہے، اور یہ فلاں انسان ہے، حالانکہ وہی آنکھ ہے، وہی

ناک ہے، وہی منہ ہے، وہی پیشانی ہے، لیکن ہر ایک کے اندر ذرا ذرا سا فرق پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے امتیاز پیدا کر دیا ہے، یہ ہے ''اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝''

انسان کی ایک اور خصوصیت

دنیا کے اندر جو حیوانات ہیں، ان میں سے کوئی پیٹ کے بل چلتا ہے۔ جیسے حشرات الارض، سانپ وغیرہ ہیں، کوئی جانور چار پاؤں پر چلتے ہیں۔ چار پاؤں پر چلے بغیر ان کا گزارہ نہیں، لہٰذا اگر وہ سیدھے کھڑا ہونا چاہیں تو سیدھے کھڑے نہیں ہو سکتے، بعض پرندے ایسے ہیں جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، لیکن اچک اچک کر چلتے ہیں، ان کے اندر دو ٹانگوں پر چلنے کی استطاعت نہیں، لیکن انسان واحد مخلوق ہے کہ اگر دو ٹانگوں پر کھڑا ہونا چاہے تو کھڑا ہو جائے، بیٹھنا چاہے تو بیٹھ جائے، لیٹنا چاہے تو لیٹ جائے۔

انسان پوری نماز پڑھ سکتا ہے

بزرگوں نے فرمایا کہ انسان ہی ایک مخلوق ہے جو پوری نماز پڑھنے پر قادر ہے، قیام وہ کر سکتا ہے، رکوع وہ کر سکتا ہے، سجدہ وہ کر سکتا ہے، قعدہ وہ کر سکتا ہے، اور جتنی مخلوقات ہیں۔ مثلاً گائے بھینس بکریاں وغیرہ کہ وہ قیام نہیں کر سکتیں، اور جب قیام نہیں کر سکتیں تو رکوع کیسے کریں؟ اور سجدہ کیسے کریں؟ لہٰذا یہ قیام اور رکوع اور سجدہ یہ صرف انسان ہی کر سکتا ہے، انسان کے علاوہ کوئی اور مخلوق اس کائنات میں ایسی نہیں ہے جو صحیح معنی میں قیام اور رکوع اور سجدہ کر سکیں۔ اللہ

تعالیٰ نے یہ مخلوق ایسی بنائی ہے، جو چلتی بھی ہے، کھڑی بھی ہوتی ہے، اور بیٹھتی بھی ہے، لیٹتی بھی ہے، رکوع بھی کرتی ہے، سجدہ بھی کرتی ہے، غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بے شمار صلاحیتیں اس مخلوق کو عطا فرمائی ہیں۔

انسان کو عقل بھی عطا فرمائی

پھر دوسری مخلوق دیکھنے میں چاہے کتنی ہی خوبصورت معلوم ہوں، لیکن ان مخلوقات کے اندر عقل اور سمجھ نہیں، اچھے برے کی ان کے اندر تمیز نہیں، اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین اعضاء کے نواز کے ساتھ اس کو عقل بھی عطا فرمائی، جو اچھے برے کے اندر تمیز کر سکتی ہے کہ کونسا کام اچھا ہے، کونسا کام برا ہے، ان کے درمیان تمیز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اس کو عقل عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا ساری کائنات میں سب سے بہترین صلاحیتوں والی مخلوق اگر کوئی ہے تو وہ انسان ہے ___ اسی عقل کے نتیجے میں انسان اپنے سے زیادہ طاقت والی مخلوق کو اپنے تابع کر لیتا ہے، مثلاً گائے بھینس کو اگر طاقت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو وہ انسان سے کئی گنا زیادہ ہے۔ گھوڑا کئی گنا طاقت والا ہے، لیکن انسان کا ایک بچہ اس کے منہ میں لگام ڈال کر اس کے اوپر سوار ہو جاتا ہے، اور جہاں چاہتا ہے اس کو لے جاتا ہے، بہرحال! اس عقل کی وجہ سے انسان کو ساری دوسری مخلوقات پر فوقیت اور فضیلت حاصل ہے۔ اس لئے فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴

بیوی چاند سے زیادہ حسین

اس میں ایک لطیفہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ ایک شخص عیسیٰ بن موسیٰ اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ اور چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا، اس نے بیوی کی تعریف کرتے ہوئے یہ جملہ کہہ دیا کہ اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو تو تمہیں طلاق، یہ جملہ اس کے منہ سے نکل گیا، بعد میں بڑا پچھتایا کہ میں نے یہ کیا جملہ کہہ دیا، اور اب یہ ثابت کرنا کہ میری بیوی چاند سے زیادہ خوبصورت ہے، یہ بہت مشکل کام ہے، کہیں میری بیوی پر طلاق واقع نہ ہو گئی ہو، چنانچہ بیوی نے اس سے پردہ کر لیا، اور اٹھ کر اندر چلی گئی، اور کہا کہ آپ نے مجھے طلاق دیدی ہے ___ بات تو ہنسی اور دل لگی کی تھی، مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ کہہ دیا جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے، چاہے ہنسی اور دل لگی ہی سے کہا گیا ہو۔

طلاق واقع نہیں ہوئی

عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور کرب وغم میں گزاری، صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کی خدمت میں حاضر ہوئے، چونکہ دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے، اور اپنا قصہ سنایا، اور پریشانی کا اظہار کیا ___ خلیفہ منصور نے شہر کے فقہاء اور اہل فتویٰ کو جمع کیا، اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا، سب نے ایک جواب دیا کہ طلاق ہو گئی، کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونا کسی انسان کے

لئے ممکن ہی نہیں ____ مگر ایک عالم جو امام حنیفہ a کے شاگرد تھے، خاموش بیٹھے رہے، خلیفہ منصور نے ان سے پوچھا کہ آپ خاموش کیوں ہیں؟ پھر وہ بولے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر سورۃ ''والتین'' کی تلاوت کی، اور فرمایا: امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا ''اَحْسَنِ تَقْوِیْم'' میں ہونا بیان فرمایا ہے، لہٰذا کوئی شئی اس سے زیادہ حسین نہیں، یہ سُن کر تمام علماء فقہاء حیرت میں رہ گئے، کسی نے ان کی مخالفت نہیں کی، اور منصور نے حکم دیدیا کہ طلاق نہیں ہوئی ____ (ماخوذ از معارف القرآن، ج ۸، ص ۷۷۵)

بشرطیکہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرے

بہر حال! اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم نے انسان کو کائنات کی سب سے زیادہ حسین اور سب سے احسن اور اشرف المخلوقات بنایا ہے، بشرطیکہ وہ اپنی صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرے، آگے اس کی تفصیل بیان فرمائی ہے کہ اگر ان صلاحیتوں کو صحیح استعمال نہ کرے تو اس کا کیا انجام ہوتا ہے، اور ان صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اشرف المخلوقات بنایا ہے، تو اللہ تعالیٰ ہمیں اس افضلیت کا حق ادا کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائے کہ ہم انسان بن کر زندگی گزاریں، کتے اور بلی بن کر زندگی نہ گزاریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین ____ انشاء اللہ باقی آیات کی تشریح اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اگلے بیانات میں عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۳﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ﴿۴﴾ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ﴿۶﴾

برے اعمال والا ''اَسْفَلُ السَّافِلِیْن'' میں ہوگا

(تفسیر سورۃ والتین)

2

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

آیۃ الکرسی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوْمٌ ؕ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

برے اعمال والا ”اَسۡفَلُ السّافِلِین“ میں ہوگا

تفسیر سورۃ والتین

2

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

وَالتِّیْنِ وَ الزَّیْتُوْنِ ۝۱ وَ طُوْرِ سِیْنِیْنَ ۝۲ وَ ھٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝۵ اِلَّا

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَھُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ۝۷ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ ۝۸

(سورہ والتین، آیت ۱ تا ۸)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ، وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! سورۃ والتین کی تشریح گزشتہ جمعہ میں شروع کی تھی، اس کی تشریح کو مکمل کرنے کا ارادہ ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رضا کے مطابق اس کی صحیح تشریح کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ____ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اس سورت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے چار چیزوں کی قسم کھائی ہے، ایک انجیر کی، ایک زیتون کی، ایک کوہ طور کی، جس پر حضرت موسیٰ u کو تورات عطا کی گئی تھی، اور ایک مکہ مکرمہ کے شہر کی ____ اور ان چار چیزوں کی قسم کھانے سے درحقیقت تین انبیاء کرام o کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے ____

تین انبیاء o کی طرف اشارہ سے مقصد

انجیر اور زیتون، یہ دونوں ”فلسطین“ میں بہت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں، ان سے اشارہ ارض ”فلسطین“ کی طرف ہے جہاں حضرت عیسیٰ o

تشریف لائے، اور طور سیناء یہ ایک پہاڑ ہے جو صحرائے سینا میں وقع ہے، اور اس
پر حضرت موسیٰ u پر تورات نازل ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ u کو ہم
کلامی کا شرف وہیں عطا فرمایا اور ''وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ'' یہ امن والا شہر یعنی
مکہ مکرمہ یہ نبی کریم ﷺ کی دعوت کا مرکز تھا۔ اس سے آپ ﷺ کی
شریعت اور آپ ﷺ کی تعلیمات کی طرف اشارہ ہے۔ ان چار چیزوں کی
قسمیں کھا کر یہ بتلایا جا رہا ہے کہ آگے جو بات کہی جا رہی ہے یہ وہ بات ہے جو
حضرت عیسیٰ u نے بھی اپنی امت کو سمجھائی تھی، اور حضرت موسیٰ u نے بھی اپنی
امت کو سمجھائی تھی، اور نبی کریم ﷺ نے بھی اپنی امت کو سمجھائی ہے۔ اور یہ
تمام انبیاء p کی ایک مشترکہ تعلیم ہے۔

انسان کو عقل عطا فرمائی

وہ تعلیم یہ ہے کہ: ''لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ'' یقین
جانو کہ ہم نے انسان کو بہترین ترکیب کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی جتنی مخلوقات
اس کائنات میں موجود ہیں، ان میں سب سے زیادہ حسین اور سب سے زیادہ
خوبصورت اور حیرت انگیز مخلوق انسان کو بنایا ہے۔ جانوروں میں اگرچہ طرح
طرح کے جانور پائے جاتے ہیں ____ بعض ان میں سے بدصورت ہیں، اور
بعض میں بہت خوبصورت ہیں۔ لیکن ان کے اندر وہ طاقتیں نہیں ہیں جو طاقتیں
اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر پیدا فرمائی ہیں ____ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے۔ دوسرے
جانوروں میں تھوڑا بہت شعور ہے، احساس ہے۔ لیکن عقل نہیں جو انسان کو کیا کچھ
ایجاد کرنے کی صلاحیت عطا کرتی ہے ____ اس عقل کی بدولت انسان نے
بڑے بڑے طاقتور جانوروں کو اپنے تابع بنا رکھا ہے، گھوڑا ہے، ایک بچہ اس کے
منہ میں لگام ڈال کر اس پر سواری کرتا رہتا ہے، حالانکہ گھوڑا انسان کے مقابلے
میں بڑا طاقتور جانور ہے ____ گائے بھینس ہیں، ان کی طاقت کے آگے انسان
کی طاقت کچھ نہیں، لیکن انسان نے ان کو اپنا تابع فرمان بنا رکھا ہے۔ ان سے
دودھ نکالتا ہے، ان سے اپنے منافع حاصل کرتا ہے، یہ سب عقل کی بدولت ہے،
جو عقل اللہ تعالیٰ نے انسان کو دی ہے، اس کی بدولت بڑے بڑے طاقتور
جانوروں کو اپنے تصرف میں لے آتا ہے۔ اور اپنے تابع بنا لیتا ہے۔

انسان کے اعضاء میں توازن

یہ عقل جانوروں میں حیوانات میں کسی اور کے پاس نہیں ہے، سوائے
انسان کے، بہرحال! اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ اس کے اعضاء بھی
متناسب اور موزون ہیں، ایسا نہیں کہ اس کی ناک لمبی ہو، اور کان چھوٹے ہوں،
یا کان لمبا ہو، اور ناک چھوٹی ہو، بلکہ ایک توازن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کے
اعضاء بنائے ہیں اور جسم کا اندرونی کارخانہ بھی ایسا بنایا ہے کہ جس سے اس کی
زندگی قائم رہتی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو عقل بھی عطائی ہے، اور اس

عقل کی بدولت انسان بڑی بڑی چیزوں کو اپنا تابع بنالیتا ہے۔ اس سمندر کے آگے انسان کی کیا حقیقت ہے، لیکن اس سمندر میں تیرنا، اس میں کشتی چلانا، اور جہاز بنا کر اس کے اندر چلانا اس کو آگیا، ہوائی جہاز بنا کر فضا کے ندر چلا دیئے۔ یہ سب اس عقل کی بدولت ہوا جو عقل اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے۔

انسان کو تمیز اور شعور عطا کیا

یہ عقل ایسی چیز ہے جس کے نتیجے میں انسان پوری کائنات کی ساری مخلوقات سے زیادہ افضل ہوگیا، اور اسی عقل کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس کو اچھے اور برے کی تمیز بھی عطا فرمادی، کونسی چیز اچھی ہے، کونسی چیز بری ہے، کونسا فعل اچھا ہے، کونسا فعل برا ہے، اور پھر اس انسان کے اندر تمام قوتیں رکھیں، اس کو بھوک بھی لگتی ہے، اس کے دل میں جنسی خواہشات بھی پیدا ہوتی ہیں، اس کو غصہ بھی آتا ہے، اور سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں بھی اس کے اندر دوسرے جانوروں کے مقابلے میں زیادہ رکھی ہیں۔ اور اس سوچ اور سمجھ کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے ہیں، انبیاء کرام q تشریف لائے ہیں، ان پر وحی اتاری ہے۔ اور ان کے ذریعہ انسان کو یہ بتایا ہے کہ ہم نے تمہیں عقل تو دیدی ہے۔ لیکن یہ عقل تمہیں بعض اوقات غلط راستے پر بھی لیجا سکتی ہے، لہٰذا اس عقل کو شریعت کے تابع رکھو، اور انبیاء کرام q کی تعلیم کے مطابق اس عقل کو استعمال کروگے تب تمہیں پتہ چلے گا کہ کونسا کام اچھا ہے۔ کونسا

کام برا ہے۔

انسان سب سے افضل کب بنے گا؟

جب انسان اپنی ان تمام صلاحیتوں کو ٹھیک ٹھیک بروئے کار لاتا ہے، مثلاً غصہ پر اسی جگہ عمل کرتا ہے جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے، غصہ کو بے جگہ استعمال نہیں کرتا ـــــ شہوت کو اسی جگہ استعمال کرتا ہے، جہاں اس کی ضرورت ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اس کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے، غلط جگہ پر استعمال نہیں کرتا ـــــ اپنی عقل کو، اپنی سوچ سمجھ کو، اپنے اعمال وافعال کو، اپنی طاقتوں کو انہی جگہوں پر استعمال کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہیں ـــــ تو یہ انسان ’’أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ‘‘ میں داخل ہوجاتا ہے، یعنی تمام کائنات میں سب سے زیادہ افضل، سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ اشرف مخلوق بن جاتا ہے۔

غصہ کا غلط استعمال

لیکن اگر انسان ان صلاحیتوں کو غلط استعمال کرے، مثلاً اس جگہ غصہ کر رہا ہے، جہاں غصہ نہیں کرنا چاہیئے تھا، اور اس جگہ پر غصہ کا استعمال کر رہا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا (الاسراء:۲۳)

یعنی اپنے والدین کو کبھی اُف نہ کہنا، اور کبھی جھڑکنا نہیں ـــــ یعنی کبھی

والدین کے اوپر غصہ نہیں کرنا ___ مگر کوئی آدمی اپنے والدین پر غصہ کرتا ہے، اوران کو جھڑکتا ہے تو یہ غصہ کا غلط استعمال ہے ___

شہوت کا صحیح اور غلط استعمال

اسی طرح شہوت جو انسان کی فطرت میں داخل ہے، انسان کو عورت کی طرف ایک رغبت ہوتی ہے، اسی رغبت کا نام شہوت ہے۔ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک حلال راستہ عطا فرمادیا ہے کہ جو تمہاری بیوی ہے، اس کے ساتھ تم اپنی خواہشات کو پورا کرسکتے ہو۔ اگر اس شہوت کو اس حلال جگہ پر استعمال کرتا ہے، تو نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ باعث ثواب ہے۔ لیکن اس شہوت کے جذبہ کو اگر انسان ناجائز جگہ پر استعمال کرے، مثلاً غیر محرم عورتوں کے ساتھ بے حیائی کا ارتکاب کرے، یا کم از کم اپنی نگاہ کو لذت حاصل کرنے کی غرض سے غیر محرم پر ڈالے، بدنظری کرے، اللہ تعالیٰ بچائے ___ یہ اس قوت کا غلط استعمال ہے، اوراس صورت میں انسان اشرف المخلوقات کی فہرست سے گر جاتا ہے۔

نگاہ کا صحیح استعمال اور غلط استعمال

ایک حدیث شریف میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ایک شوہر اپنے گھر میں داخل ہوا، اوراس نے اپنی بیوی کو محبت کی نگاہ سے دیکھا، اور بیوی نے شوہر کو محبت کی نگاہ سے دیکھا تو اللہ تعالیٰ دونوں کو رحمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ___ کیونکہ دونوں اپنی نگاہ کو صحیح جگہ پر استعمال کر رہے ہیں، لیکن اگر کوئی

شخص اس کو غلط جگہ پر استعمال کرے تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنکھیں بھی زنا کرتی ہیں، اور آنکھوں کا زنا یہ ہے کہ آدمی ان آنکھوں کو غلط استعمال کرے، اور غیر محرم عورتوں کو دیکھ ان سے لذت حاصل کرے، یا عورتوں کی تصویریں دیکھ کر ان سے لذت حاصل کرے ___ اللہ بچائے ___ آج کل یہ فتنہ بہت پھیلا ہوا ہے ___ اللہ تعالیٰ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔ یہ عمل انسان کو اس کے اشرف المخلوقات کے درجے سے نیچے گرادیتا ہے۔

ورنہ وہ حیوان سے بدتر ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ ہاتھ پاؤں اس لئے دیے ہیں تاکہ جائز طریقے سے ان کے ذریعہ روزی کمائے، اگر حرام طریقے سے روزی کمانا شروع کردے گا تو یہ ہاتھ پاؤں کا غلط استعمال ہے، اس صورت میں یہ انسان اشرف المخلوقات کے درجے سے نیچے گر جائے گا ___ بہرحال! اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم نے تو انسان کو بہترین ترکیب، اور بہترین اجزاء کے ساتھ، بہترین صلاحیتوں کے ساتھ، بہترین قوتوں کے ساتھ پیدا کیا تھا، لیکن ''ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ'' پھر ہم نے اس کو نیچے سے بھی نیچے درجے گرادیا۔ دنیا میں اس طرح نیچے گرادیا کہ جب اس نے اپنی صلاحیتوں کو اور اپنی قوتوں کو غلط استعمال کیا تو وہ حیوان سے بدتر ہوگیا، کتے اور بلی سے بھی بدتر ہوگیا، اس لئے کہ کتے اور بلی کو تو اللہ تعالیٰ نے عقل ہی نہیں دی، اور جب عقل نہیں دی، تمیز نہیں دی تو اس کے اوپر

حلال وحرام کی ذمہ داری بھی نہیں ڈالی کہ یہ کام تمہارے لئے حلال ہے، یہ کام حرام ہے____ کتے اور بلی کے لئے حلال وحرام کچھ نہیں ہے، خنزیر اور بھیڑیے کے لئے حرام اور حلال کچھ نہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عقل ہی نہیں دی۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی، تمیز دی، سمجھ دی، اور پھر وہ ان اعضاء کو غلط استعمال کر رہا ہے تو وہ انسان کتے اور بلی سے بھی بدتر ہے____ دنیا میں "اَسۡفَلَ السّٰفِلِیۡنَ" یہ ہے۔

آخرت میں جہنم میں پھینک دیا جائے گا

اور آخرت میں "اَسۡفَلَ السّٰفِلِیۡنَ" یہ ہوگا کہ جہنم کے نچلے سے نچلے طبقے میں اس کو ڈال دیا جائے گا۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی رضا میں استعمال کرنے کے بجائے اس کی ناراضگی کے کاموں میں استعمال کیا، گناہوں میں استعمال کیا، اپنی بہترین صلاحیتیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں خرچ کیں۔ اس لئے اس کا بدلہ یہ ہے کہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں اس کو پھینک دیا جائے گا۔

صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرنے پر اجر وثواب

پھر آگے فرمایا:

اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ اَجۡرٌ غَیۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ؕ﴿۶﴾

ہاں، وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اللہ کے پیغمبروں پر، اور نبی کریم ﷺ کی تعلیم پر، آپ ﷺ کی ہدایات پر، قرآن کریم کی تعلیمات پر ایمان لائے____ اور انہوں نے نیک عمل کئے____ نیک عمل کرنے کا کیا مطلب؟ یعنی جو صلاحیتیں ہم نے ان کو عطا کی تھیں۔ ان کو ٹھیک ٹھیک شریعت کے دائرے میں رہ کر، اللہ کے حکم کے مطابق، اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ان صلاحیتوں کو استعمال کیا، اور حلال کو حلال جانا، اور حرام کو حرام جانا، اور حرام سے اپنے آپ کو بچا کر اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزاری، ان کے لئے ایک ایسا انعام ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ یعنی جنت کی نعمتیں، کیونکہ وہ ایک دفعہ ملنے کے بعد کبھی ختم نہیں ہونگی، اور کبھی واپس نہیں لی جائیں گی____

دنیا کی نعمتیں آنی جانی ہیں

انسان کو دنیا کی نعمتوں کے بارے میں ہر وقت یہ دھڑکہ اور اندیشہ لگا ہوتا ہے کہ یہ نعمتیں ختم ہو جائیں گی، صحت کی نعمت اس وقت حاصل ہے، لیکن وہ نعمت چھن گئی، اور بیماری آ گئی، جوانی کی نعمت حاصل ہے، یہ نعمت چھن گئی، اور بڑھاپا آ گیا، زندگی کی نعمت اس وقت حاصل ہے، یہ نعمت چھن گئی اور موت آ گئی____ کبھی مال آ گیا، کبھی مال چلا گیا، کبھی دولت مل گئی، اور کبھی آدمی محتاج ہو گیا____ یہ دنیاوی نعمتیں آتی جاتی رہتی ہیں____

جنت کی نعمتیں ابدی ہیں

لیکن جنت کی نعمتیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے تیار فرمائی ہیں وہ کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ اوّل تو وہ زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی، وہاں کبھی موت نہیں آئے گی، جوانی ہے تو وہ ہمیشہ رہے گی، کبھی بڑھاپا نہیں آئے گا، اور جنت میں تمام انسانوں کو جوان بنا کر داخل کیا جائے گا، اور وہ جوانی کبھی ختم نہیں ہوگی، اور جو نعمتیں وہاں عطا ہوگئیں، وہ ہمیشہ کے لئے عطا ہوگئیں، کبھی ان نعمتوں کے ختم ہونے کی نوبت نہیں آئے گی۔

ورنہ اَسْفَلَ السّٰفِلِيْنَ میں چلا جائے گا

بہرحال! اللہ جل شانہ نے اس پوری سورۃ والتین میں پوری کائنات کا نظام بتادیا کہ ہم نے یہ نظام ایسا بنایا ہے کہ ہم نے ہی ساری مخلوقات پیدا کی ہیں، لیکن انسان کو سب سے بہترین مخلوق بنا کر پیدا کیا ہے، جسمانی اعتبار سے بھی، ذہنی اعتبار سے بھی، صلاحیتوں اور قوتوں کے اعتبار سے بھی بہترین مخلوق بنایا، اور اس کو اچھے برے کی تمیز دی ہے۔ لہٰذا اگر وہ اچھائی کے ساتھ زندگی گزارتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق زندگی گزارتا ہے تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ ''لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ'' اس کو ایسا بدلہ ملے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا، اور اگر اس نے غلط طریقے سے زندگی گزاری اور اپنی صلاحیتوں کو غلط طریقے سے استعمال کیا تو وہ ''اَسْفَلَ السّٰفِلِيْنَ'' میں چلا جائے گا۔

پھر قیامت سے انکار کیوں؟

آگے اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں:

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧

وہ کیا چیز ہے جو تمہیں جزا اور سزا کے جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے؟ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے یہ نظام بنادیا ہے تو اس کا منطقی تقاضہ یہ ہے کہ ایک وقت ایسا ہونا چاہیے جس میں اچھے انسان کو اس کی اچھائی کا انعام ملے، اور برے انسان کو اس کی برائی کا بدلہ ملے۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہو تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اچھے اور برے کے درمیان کوئی تمیز نہیں رکھی ہے ___ یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت سے ناممکن ہے کہ ایک نیک، متقی اور پارسا اور اچھے کام کرنے والے کو، اور ایک بدکار کو برابر کردے، یہ نہیں ہوسکتا، لہٰذا کوئی دن ایسا ہونا چاہئے جس میں اچھے انسان کو اچھائی کا بدلہ ملے، اور برے انسان کو برائی کا بدلہ ملے، جب یہ بات عقلی ہے تو کون سی ایسی چیز ہے جو تمہیں اس بات پر آمادہ کر رہی ہے کہ تم روز جزا کا انکار کرو، اور یہ کہو کہ قیامت نہیں آئے گی، اور کوئی جزا و سزا نہیں ہوگی۔

وہ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے

آگے فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨

کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے؟ یعنی دنیا کا ایک

معمولی حاکم بھی بے انصافی کو گوارہ نہیں کرتا، یعنی وہ بھی اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ سب اچھے برے ایک جیسے ہو جائیں ____ تو جو تمام حاکموں کا حاکم ہے، وہ کیسے یہ گوارہ کر سکتا ہے کہ اچھے انسان کو اچھائی کا بدلہ نہ ملے، اور برے انسان کو برائی کا بدلہ نہ ملے ____ لہٰذا ایک وقت ایسا آنے والا ہے جب تمہیں ہر قول و فعل کا جواب دینا ہوگا، اور اس کا نتیجہ بھی تمہیں بھگتنا ہوگا ____

سورۃ والتین کے ختم پر یہ کہے

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص ''سورۃ والتین'' پڑھے اور آخری آیت پڑھے ''اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸'' اس آیت میں درحقیقت یہ سوال ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں؟ تو اس وقت سورۃ ختم کر کے وہ شخص کہے:

بَلٰی۔ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ

کیوں نہیں، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھکر حاکم ہیں، لہٰذا اس سورت کا یہ ادب ہے کہ جب آدمی اس سورت کی تلاوت کرے تو آخر میں یہ کہہ دے:

بَلٰی۔ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ

سورۃ والتین کی اہمیت

حدیث شریف میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز میں بکثرت یہ

سورت تلاوت کیا کرتے تھے، اور حضرت فاروق اعظم t سے منقول ہے کہ جب بیت اللہ کے سامنے نماز پڑھتے تو بکثرت یہ سورت تلاوت کرتے، کیونکہ اس سورت میں شہر مکہ کا ذکر بھی آیا ہے ____ بہرحال! اگر آدمی عشاء کی نماز میں یہ سورت اس نیت سے پڑھے کہ حضور اقدس ﷺ بکثرت عشاء کی نماز میں یہ سورت تلاوت کیا کرتے تھے تو انشاء اللہ اتباع سنت کا ثواب بھی ملے گا، اور جو باتیں اس کی تشریح میں عرض کی گئیں ہیں، ان کا بھی دھیان کرلے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہترین مخلوق بنا کر پیدا کیا ہے، ہمیں بہتر صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، ان صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے کاموں میں خرچ کرنا چاہیئے، اور حرام کاموں سے اور گناہوں کے کاموں سے بچانا چاہیئے، تاکہ ہم ''اَسْفَلَ السّٰفِلِيْنَ'' کا مصداق نہ بنیں ____ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

✿

جوانی میں آخرت کیلئے تیاری کرلو

(تفسیر سورۃ والتین)

3

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

سورۂ انعام کی پہلی تین آیات کو صبح وشام پڑھنے کی فضیلت

جو بندہ سورۂ انعام کی پہلی تین آیات صبح یا شام میں پڑھے گا تو (۱) چالیس ہزار فرشتے قیامت تک عبادت کریں گے جس کا ثواب اس بندہ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ (۲) اللہ ایک فرشتہ مقرر کردیتے ہیں جو شیطان کے وسوسہ ڈالنے پر اس کے منہ پر کوڑا مارتا ہے تو شیطان اور بندے کے درمیان پردے گر جاتے ہیں۔ (۳) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: بندے آ میرے عرش کے سائے میں تجھے اپنی جنت کے میوے کھلاؤں، حوض کوثر سے پانی پلاؤں اور سلسبیل کے چشمے سے تجھے نہلاؤں۔ (بحوالہ: اعمال کے فضائل وبرکات، بزبان حاجی عبدالوھاب صاحب)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ؕ ثُمَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ۝۱ هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ وَ يَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُوۡنَ ۝۳

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

جوانی میں آخرت کیلئے تیاری کرلو

تفسیر سورۂ والتین

3

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلاَ هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَ نَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ ۝۱ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝۳ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝۴ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝۵ اِلَّا

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۶ فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝۷ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸ (سورہ والتین)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز! یہ سورۃ والتین ہے جس کی کچھ تشریح گزشتہ دو جمعوں میں کی گئی ہے، اور آج اسی کو مکمل کرنا مقصود ہے____

جیسا کہ گزشتہ جمعہ میں عرض کیا تھا کہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قسمیں کھا کر یہ بات بیان فرمائی ہے کہ ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کیا ہے اور پھر اس انسان کو ''اَسْفَلَ السَّافِلِيْنَ'' میں ڈال دیا، سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور جنہوں نے نیک کام کئے____

انسان کو سب سے بہترین مخلوق بنانے کا ایک مطلب

اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو میں نے پچھلے جمعہ میں عرض کیا تھا کہ انسان کو بہترین سانچے میں ڈھال کر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ظاہری شکل وصورت بھی دوسرے جانوروں سے بہتر ہے، اور اس کی صلاحیتیں بھی دوسرے جانوروں کے مقابلے میں بہتری ہیں، اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے،

شعور دیا ہے، اچھے برے کی تمیز دی ہے، اگر کوئی انسان ان صلاحیتوں کو صحیح استعمال نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں استعمال کرتا ہے تو وہ انسان اپنے آپ کو ''اشرف المخلوقات'' سے گرا کر ''اَسۡفَلَ السّٰفِلِیۡنَ'' میں لے جاتا ہے۔ یعنی دنیا میں بھی وہ انسان جانوروں سے بھی بدتر ہے، جیسے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو لوگ کفر اختیار کرتے ہیں، وہ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں ـــــ البتہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں، اور اپنی صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرتے ہیں، تو وہ لوگ ''اشرف المخلوقات'' ہی میں داخل رہتے ہیں، اور ان کو آخرت میں بھی بڑا اجر و ثواب ملے گا، جو کبھی ختم نہیں ہوگا ـــــ یہ وہ تفسیر تھی جو میں نے گزشتہ جمعوں میں عرض کی تھی ـــــ

''جوانی میں''''احسن تقویم'' کی صفت حاصل ہے

ان آیات کی ایک دوسری تفسیر یہ بھی ہے جو بہت سے مفسرین نے بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ یہ جو فرمایا کہ ہم نے بہترین سانچے میں ڈھال کر انسان کو پیدا کیا، اور پھر اس کو لوٹا کر نچلی سے نچلی حالت میں لے آئے، اس نچلی سے نچلی حالت سے مراد ''سخت بڑھاپے'' کی حالت ـــــ جب تک انسان جوان ہے، اس کے سارے قوی مضبوط ہیں، دیکھنے میں بھی اچھا لگتا ہے، خوبصورت بھی ہے، خوش شکل بھی ہے، اس کی ساری قوتیں بھی بحال ہیں، وہ بڑے عزم و ارادہ کا

مالک ہے، اور وہ جو چاہتا ہے، کر گزرتا ہے، اس زمانے میں وہ ''احسن تقویم'' کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔

بڑھاپے میں ''اَسۡفَلَ السّٰفِلِیۡنَ'' کی صفت

لیکن جب اس کی عمر ڈھل گئی، اور بڑھاپا شروع ہوگیا، تو رفتہ رفتہ اس کی قوتیں جواب دینے لگتی ہیں، اور بڑھاپے میں ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جس میں اس کی ساری قوتیں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہو جاتی ہیں، اور وہ نقل و حرکت میں بھی دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اس کو کھانا پینا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ چلنا پھرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے، اس کی صورت بھی بگڑ جاتی ہے، جوانی کے عالم میں بہترین خوبصورت انسان تھا۔ لیکن جب بڑھاپے کے آخری مرحلے پر پہنچا تو چہرے پر جھریاں پڑ گئیں، کھال لٹک گئی، آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ اب کانوں سے سنائی نہیں دیتا ـــــ غرض یہ کہ ہر طرح قوتیں اس طرح ختم ہو جاتی ہیں کہ وہ بد سے بدتر حالت کو پہنچ جاتا ہے۔ جس کو قرآن کریم نے ''اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ (سورہ النحل:۷۰)'' سے تعبیر کیا ہے۔

عبرت آموز واقعہ

اس کے ذریعہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ جو خوبصورتی عطا کی ہے، یا تمہیں جو صلاحیتیں عطا کی ہیں، یہ ہمیشہ رہنے والی نہیں ہیں، ایک وقت آئے گا کہ اس میں قوی سے قوی انسان بھی کمزور ہو جائے گا، میرے ایک عزیز

تھے ــــــ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، آمین ــــــ وہ اپنی جوانی میں اپنی طاقت اور قوت کے لحاظ سے پورے خاندان میں مشہور تھے، اتنے طاقتور تھے کہ برف کی سِل پر ایک ہاتھ مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے، اور تربوز کو کبھی چھری سے نہیں کاٹتے تھے، بلکہ ہاتھ مار کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتے تھے ــــــ آخر عمر میں بیمار ہوئے، میں ان کی عیادت کے لئے گیا تو انہوں نے بڑی مشکل سے ہاتھ اٹھا کر مصافحہ کیا، اور پھر ایک جملہ کہا کہ دیکھو! یہ وہی شخص ہے جو برف کی سِل کو ایک ہاتھ مار کر توڑ دیا کرتا تھا، اور اب مصافحہ کے لئے بھی ہاتھ اٹھانا ایک پہاڑ معلوم ہو رہا ہے۔

جوانی میں نیک عمل کر گزرو

بہر حال! کوئی انسان کتنا ہی طاقتور ہو، کتنا ہی خوبصورت ہو، بڑھاپے میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب ساری قوتیں زائل ہو جاتی ہیں، اور انسان کی خوشنمائی بھی ختم ہو جاتی ہے ــــــ اسی کی طرف اس سورت میں اللہ تعالیٰ اشارہ فرما رہے ہیں کہ یاد رکھو! ایک وقت ایسا آنے والا ہے، لہٰذا اس وقت کے لئے تیاری کرو، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ جب تک تمہارے اندر ہمت ہے، طاقت ہے، قوت ہے، تو جو کچھ تمہیں نیک عمل کرنے ہیں، وہ اس زمانے کے اندر کر گزرو۔

نیک لوگوں کا بڑھاپا

خوب سمجھ لیجئے! کہ اگرچہ بڑھاپا نیک لوگوں پر بھی طاری ہوتا ہے۔ قوتیں ان کی بھی کم ہو جاتی ہیں، یا ڈھل جاتی ہیں۔ یا ختم ہو جاتی ہیں اور ان کی ظاہری شکل وصورت میں بھی تغیر واقع ہو جاتا ہے، ان کے چہرے پر بھی جھریاں پڑ جاتی ہیں، ان کی کھال بھی لٹک جاتی ہے ــــــ لیکن اس حالت میں بھی وہ ''اَسْفَلَ السَّافِلِیْنَ'' میں نہیں ہوتے، اس کی کئی وجوہات ہیں۔

بڑھاپے میں جوانی کے اعمال لکھے جائیں گے

ایک وجہ تو یہ ہے کہ جب آدمی بڑھاپے میں پہنچتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والا ہے، تو اگر اس نے زندگی میں نیک عمل کئے تھے، تو وہ جو نیک عمل جوانی کے عالم میں کرتا رہا تھا، اگر بڑھاپے کی وجہ سے نہیں کر پا رہا تو اس کے نامہ اعمال میں وہ بھی لکھے جاتے ہیں ــــــ فرض کرو کہ ایک آدمی جوانی میں تہجد پڑھا کرتا تھا، اِشراق اور چاشت پڑھا کرتا تھا، جب بڑھاپا طاری ہو گیا اور کمزور ہو گیا، اب نہ تہجد پڑھی جاتی ہے، نہ اشراق اور نہ چاشت پڑھی جاتی ہے، کیونکہ جوانی کے عالم میں اس نے ان عبادات کی عادت ڈالی ہوئی تھی، تو اب بڑھاپے میں باوجودیکہ وہ بستر پر پڑا ہوا ہے، اور سو رہا ہے، تہجد نہیں پڑھ رہا ہے، لیکن اس کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جا تا رہے گا۔

وہ ''اَسۡفَلَ السَّافِلِیۡنَ'' میں نہیں

ایک آدمی جوانی کے عالم میں مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کا عادی تھا، جب بڑھاپا آیا تو وہ مسجد میں آکر جماعت سے نماز پڑھنے سے معذور ہوگیا اور گھر میں نماز پڑھنے پر مجبور ہے۔ اس کو گھر پر نماز پڑھنے پر وہی ثواب ملے گا جو مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنے پر ملتا ہے ــــــ تو باوجودیکہ وہ شخص ''اَسۡفَلَ السَّافِلِیۡنَ'' میں اس معنی کر پہنچ گیا کہ قوتیں اس کی ختم ہوگئی ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ ''اَسۡفَلَ السَّافِلِیۡنَ'' میں نہیں ہے، اس کے سارے جوانی کے اعمال بڑھاپے کے اندر بھی جاری رہیں گے۔

نیک آدمی کیلئے بڑھاپا آسان ہوتا ہے

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو صاحب ایمان ہو، اور نیک عمل کئے ہوں، اس کے لئے بڑھاپے کو بھی آسان فرمادیتے ہیں، جس آدمی کے دل میں ایمان نہیں، اور جس آدمی کو نیک اعمال کی توفیق نہیں ہوئی، اور اس کا اللہ تعالیٰ سے رشتہ مضبوط نہیں، ایسا شخص بڑھاپے کو ایک عذاب سمجھتا ہے، اور بڑھاپے میں جو تکلیفیں آتی ہیں، قدم قدم پر ان کا رونا روتا ہے، لیکن جو صاحب ایمان ہے، اور عمل صالح کرنے والا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے بڑھاپے کو بھی آسان فرمادیتے ہیں، وہ یہ سمجھتا ہے کہ میری عمر کا جو وقت بھی باقی ہے، یہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے مجھے عطا فرمایا ہے، تکلیفیں تو دنیا کے اندر آتی ہی

ہیں ــــــ لیکن یہ تکلیفیں کوئی عذاب نہیں، بلکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کوئی حکمت اور مصلحت ہے، جب وہ ان باتوں پر یقین رکھتا ہے تو پھر بڑھاپے کی تکلیفیں بھی اس کے لئے آسان ہوجاتی ہیں، عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ جن لوگوں کی جوانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق میں گزری، ان کا بڑھاپا باوجودیکہ قویٰ کمزور ہوگئے، اور صلاحیتیں ختم ہوگئیں، اس کے باوجود ان کے لئے بڑھاپا نسبتاً آسان ہوجاتا ہے، ان کے لوگوں کے مقابلے میں جنہوں نے اپنی جوانی نافرمانیوں میں گزاری۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے۔ آمین۔

کافر کو بڑھاپے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر ایک آدمی کافر ہے ــــــ العیاذ باللہ ــــــ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں ــــــ یا ایک آدمی فاسق و فاجر ہے، اس کو آخرت کی کوئی پرواہ ہی نہیں، اپنی زندگی میں اس نے کبھی حلال و حرام کی فکر ہی نہیں کی، اس پر جب بڑھاپا آتا ہے تو اس کو ایک طرف بڑھاپے کی تکلیف ہوتی ہے، اور دوسری طرف اگر وہ صاحب ایمان نہیں ہے اور آخرت پر اس کا ایمان نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ بس میری زندگی کا انجام یہیں پر ختم ہونا ہے، اس کے بعد کوئی اور زندگی آنے والی نہیں ہے، یہ تو میرا انجام خراب ہوگیا، لہٰذا اس شخص کے لئے تسلی کا کوئی راستہ نہیں ــــــ

فسق و فجور میں زندگی گزارنے والے کا بڑھاپا

اور اگر وہ شخص مؤمن ہے، لیکن فسق و فجور میں زندگی گزاری ہے، نافرمانیوں میں زندگی گزاری ہے، تو ایسے شخص کو ایک طرف تو بڑھاپے کی تکلیف ہوتی ہے، اور دوسری طرف اس کو یہ فکر بھی ہوتی ہے کہ اب مجھے اللہ تعالیٰ کے پاس واپس جانا ہے، میں اپنے اعمال کا کیا جواب دوں گا، اس طرح ایسا شخص دوھری تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔

نیک آدمی کا رجوع الی اللہ بڑھ جاتا ہے

اس کے برخلاف جو صاحب ایمان ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو نیک اعمال کی بھی توفیق دی ہے، تو اس حالت میں وہ اس بات پر تو یقین رکھتا ہے کہ مجھے بڑھاپے کی تکلیف تو ہے، لیکن اس زندگی کے بعد ایک ابدی زندگی آنے والی ہے، ایک ایسی زندگی جس میں نہ کبھی بڑھاپا آئے گا اور نہ کبھی کوئی بیماری آئے گی، اور نہ کبھی تکلیف آئے گی، وہ آخرت کی زندگی آنے والی ہے، اور یہ بڑھاپے کے لمحات جو مجھے اس وقت میسر ہیں، اس پر بھی اللہ تعالیٰ مجھے اجر و ثواب عطا فرمانے والے ہیں، ہر تکلیف پر اجر و ثواب لکھا جا رہا ہے، ایسے حالات میں جب آدمی کے ہاتھ پاؤں جواب دے چکے ہوتے ہیں ــــ اس وقت میں ایسا بندہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف زبان سے اور دل سے رجوع کرتا ہے اور اس کی زبان پر ہر وقت ذکر جاری رہتا ہے، اس کی زبان پر ہر وقت توبہ اور

استغفار جاری رہتا ہے، ایسے شخص کو اطمینان ہوتا ہے کہ یہ بڑھاپا جس طرح میرے اوپر آیا ہے ہر ایک پر آتا ہے، انشاء اللہ اس کا بہترین انجام آخرت میں مجھے بہترین شکل میں ملے گا۔ اس وجہ سے ایسے شخص کے لئے بڑھاپے کی تکلیف آسان ہو جاتی ہے ــــ

نیک لوگوں کو دائمی اجر و ثواب

لہٰذا اور لوگوں کو تو "اَسْفَلَ السَّافِلِيْنَ" میں پہنچنے کے بعد کوئی امید نہیں ہوتی کہ اس سے آگے کوئی بہتری کا راستہ بھی ہوگا ــــ مگر جو ایمان والے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کے لئے ایسا اجر و ثواب ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔ یعنی دنیا کے اندر جو نعمتیں انسان کو ملنے والی ہیں، وہ کبھی نہ کبھی ختم ہو جائیں گی، مثلاً جوانی آئی اور ختم ہوگئی، جسم میں طاقت آئی اور ختم ہوگئی، صحت آئی اور چلی گئی، اور بیماری آگئی ــــ لیکن وہ اجر و ثواب ایسا ملے گا جو کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ احکم الحاکمین ہیں

پھر فرمایا:

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝

اب بتاؤ کہ آخرت کے دن اور اس کی جزا و سزا سے کون سی چیز ہے جو تمہیں جھٹلانے پر آمادہ کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کر سکتے کہ سارے نیک

اور بد کو ایک صف میں کھڑا کردے۔ بلکہ ایک فیصلے کا دن اور جزاوسزا کا دن ضرور آنا ہے۔ پھر فرمایا:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨

کیا اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہیں، دنیا کا ایک معمولی حاکم بھی اپنے فرمانبردار اور نافرمان کو ایک صف میں کھڑا نہیں کرتا، بلکہ فرمانبرداروں کو صلہ دیتا ہے، اور نافرمانوں کو سزا دیتا ہے، وہ تو تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے، وہ یہ کیسے کرسکتا ہے کہ نیک اور بد سب کا انجام ایک ہی کردے۔

جوانی میں تیاری کرو

لہٰذا اپنی دنیوی زندگی کے اندر اس انجام کے لئے تیاری اس وقت کرو جبکہ تمہیں قوت حاصل ہے، اور تمہیں جوانی ملی ہوئی ہے، جب کہ تمہارے اعضا کام کررہے ہیں اور جب تک تمہاری قوتیں بحال ہیں۔ اس وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرکے اس کی فرمانبرداری والی زندگی اختیار کرو ___ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العالمین ○

❁❁❁

❁

دل اور چہرے کو نورانی بنانے کا مجرب عمل

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٣٥ ۙ (سورۂ نور: آیت ۳۵)

اگر آپ کو اپنے دل میں اور چہرے پر نور پیدا کرنا ہے تو روزانہ مذکورہ آیت ایک مرتبہ اپنے اوپر پڑھ کر پھونکیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کی عظیم ذمہ داری

(تفسیر سورۃ الم نشرح)

1

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ضبط و ترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ میمن صاحب

استاذ جامعہ العلوم کراچی

میمن اسلامک پبلشرز

ہر فرض نماز کے بعد پڑھنے کی دعا

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیمتی وصیت

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ: اے معاذ! واللہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ماں باپ آپ پر فدا، خدا کی قسم میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے معاذ! میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ کسی نماز کے بعد اس دعا کو نہ چھوڑنا:

اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔

''اے اللہ! ہماری مدد فرمایئے اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت پر۔'' (روایت: احمد، ابوداؤد ۲۱۳، نسائی، ترغیب ۴۵۴، مشکوۃ: ص ۸۸، ابن حبان، حاکم، ابن سنی، عن معاذ بن جبل t)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کی عظیم ذمہ داری

تفسیر سورۃ الم نشرح

1

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ●

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ●

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۙ﴿۳﴾ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ؕ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ

الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ (سورہ الم نشرح: ۱تا۸)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ الم نشرح ہے جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے ــــــ کچھ عرصہ سے میں نے ان سورتوں کی تشریح کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، جو عام طور سے نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں، تاکہ کم از کم اجمالی طور پر ان کا مفہوم ذہن میں رہے، اور ان کی تلاوت کے وقت اس کا استحضار رہے، انہی سورتوں میں یہ سورۃ الم نشرح ہے، جس کی میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہے۔

اس سورت کا ترجمہ

یہ سورت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عالی مقام بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی، اور اس میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا جو اللہ جل شانہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مبذول فرمائیں ــــــ پہلے اس سورت کا میں اجمالی ترجمہ کر دیتا ہوں، اس کے بعد انشاء اللہ اس کی تشریح عرض کروں گا ــــــ فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾

اس میں حضور اقدس ﷺ سے خطاب ہے کہ کیا ہم نے تمہاری خاطر تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ تمہارا سینہ کشادہ نہیں کر دیا؟ ___ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ ___ اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ ہٹا دیا ___ الَّذِیْۤ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ ___ جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی ___ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ اور تمہاری خاطر ہم نے تمہارے تذکرے کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا ___ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۵﴾ ___ یقین رکھو کہ تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے ___ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۶﴾ ___ اسی بات کو دوبارہ دھرایا کہ یقین رکھو کہ مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے ___ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ ___ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو جو انعامات عطا فرمائے ہیں ان کے شکر کے طور پر یہ کریں کہ جب آپ ﷺ اپنے فرائض منصبی سے فارغ ہوں تو آپ ﷺ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں تھکایئے ___ وَ اِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ ___ اور اپنے پروردگار سے لو لگایئے، اور اپنے پروردگار کی طرف رغبت اور شوق کا مظاہرہ کیجئے ___ یہ اس سورت کا ترجمہ ہے۔

نبوت کی عظیم ذمہ داری کا بوجھ

اس سورت میں سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ پر اپنے اس انعام کا تذکرہ فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لئے تمہارا سینہ کھول دیا، اور تم پر سے وہ بوجھ ہٹا دیا جس نے تمہاری کمر توڑ رکھی تھی ___ یہ درحقیقت حضور اقدس

ﷺ کے مقامِ نبوت پر فائز ہونے کے بعد آپ ﷺ پر نبوت کی جس عظیم ذمہ داری کا بوجھ تھا۔ وہ یہ کہ پوری دنیا اس وقت گمراہی میں غرق تھی، جس شہر میں آپ ﷺ پیدا ہوئے، وہ کفر میں، شرک میں، بت پرستی میں، قتل و غارت گری میں، فسق و فجور میں حد سے گزرا ہوا تھا، پورا ماحول کفر و ضلالت کی اندھیریوں میں بھٹک رہا تھا، ایسے ماحول میں تنِ تنہا ایک ذات کو یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تمہیں اس ماحول میں، اس معاشرے میں، بلکہ ساری دنیا میں انقلاب لانا ہے، اور ان بگڑے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر لانا ہے، ان کے عقائد درست کرنے ہیں، ان کے اعمال درست کرنے ہیں، ان کے اندر جو غلط عادتیں پیوست ہو چکی ہیں، ان کو بدلنا ہے ___

چالیس سال کی عمر میں یہ ذمہ داری

اور یہ ہم حکم اس وقت دیا جا رہا ہے جب آپ کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی ___ چالیس سال کے بعد عام طور سے انسان کے قویٰ میں رفتہ رفتہ انحطاط آنا شروع ہو جاتا ہے، اگرچہ چالیس سال عمر تک پہنچنے سے پختگی بھی آجاتی ہے، سوچ سمجھ بھی پختہ ہو جاتی ہے، لیکن اس کے ساتھ انحطاط کا دور بھی شروع ہو جاتا ہے، اور رفتہ رفتہ قویٰ مضمحل ہونے لگتے ہیں۔ ایسے وقت میں اتنی بڑی عظیم ذمہ داری سرکار دو عالم ﷺ پر سونپی جا رہی ہے ___ اس وقت دنیا میں ظاہری اعتبار سے کوئی مددگار بھی نہیں تھا، اس ذمہ داری کا آپ ﷺ پر کتنا بڑا بوجھ ہوگا اور آپ ﷺ کو اس کی کتنی فکر لاحق ہوگی؟ ہم اور

آپ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ___

ذمہ داریوں کے احساس سے جاڑہ

چنانچہ سورۃ ''اِقْرَأْ'' کی تفسیر میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جب سرکار دو عالم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو اس عظیم ذمہ داری کے احساس سے آپ ﷺ کو جاڑہ چڑھ گیا، اور بخار ہو گیا، اور جب آپ ﷺ گھر میں تشریف لائے تو اپنی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ r سے فرمایا: زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ ___ مجھے چادر اوڑھاؤ، مجھے چادر اڑھاؤ، ذمہ داری کا اتنا سخت بوجھ سرکار دو عالم ﷺ پر تھا۔ ایک طرف اس بات کا بوجھ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا، اور ان احکام کے تمام مقتضیات کو سوچنا، اور جو وحی مجھ پر نازل ہو رہی ہے اس کے الفاظ کو بھی بعینہٖ محفوظ کرنا، اس کے پڑھنے کے طریقے کو بھی محفوظ کرنا، اس کے معانی کو بھی محفوظ کرنا، اس سے جو احکام نکلتے ہیں، وہ احکام بھی یاد رکھنے ہیں ___ یہ سب کام انجام دینے ہیں، جبکہ آپ ''امی'' ہیں۔

اُمّی ہونے کے باوجود یہ ذمہ داری

اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ یہ معجزہ دکھایا تھا کہ آپ ﷺ کو امّی بنایا، نہ آپ ﷺ پڑھتے تھے، نہ لکھتے تھے، جو کچھ تھا وہ حافظے میں اور دل میں تھا، قرآن کریم یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام نازل ہو رہا ہے، اس کو محفوظ بھی کرنا تھا۔ اس کو یاد بھی رکھنا تھا، اگر کوئی عام آدمی ہوتا تو وہ یہ کرتا کہ

جو کچھ سنتا، پہلے اس کو کاغذ پر لکھ لیتا۔ اور پھر اس کو یاد کر لیتا۔ لیکن نبی کریم ﷺ نہ لکھ سکتے ہیں۔ نہ پڑھ سکتے ہیں، لہٰذا لکھ کر یاد کرنے کا کوئی سوال نہیں ___ صرف کان سے سنتا ہے، اور جو کچھ سنا ہے، اس کو محفوظ رکھنا ہے ___

قرآن کریم کو اس طرح پڑھنا تھا

جب کوئی بچہ قرآن کریم حفظ کرنے بیٹھتا ہے تو بہت جلدی یاد کرنے والا بچہ ہو اور ذہین بچہ ہو، تب بھی اس کو مکمل حفظ کرنے میں کم از کم ڈھائی تین سال لگتے ہیں ___ لیکن حضور اقدس ﷺ کے سامنے کوئی کتاب نہیں، آپ ﷺ پڑھ نہیں سکتے، آپ ﷺ لکھ نہیں سکتے، اور بعض اوقات کئی کئی آیات ایک ساتھ نازل ہوتی تھیں ___ بعض روایات میں ہے کہ سورۃ الانعام پوری کی پوری ایک مرتبہ نازل ہوئی جو تقریباً ڈیڑھ پارے پر مشتمل ہے ___ اب اس کے الفاظ بھی یاد رکھنے ہیں، اور قرآن کریم کے الفاظ بھی ایسے ہیں کہ ان کو پڑھنے کا ایک خاص طریقہ مقرر ہے، یہ نہیں کہ جس طرح چاہا، اس کو پڑھ لیا، وہ طریقہ یہ ہے کہ حضرت جبرئیل امین u نے حضور اقدس ﷺ کے سامنے جس طرح پڑھا، اس طرح اس کو پڑھنا ہے، چنانچہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ:

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ O (القیامۃ:۱۸)

کہ جب ہم جبرئیل امین u کے واسطے سے اس کو پڑھیں تو آپ ﷺ کو اس قرأت کی اتباع کرنی ہے، اور اس طرح آپ ﷺ کو پڑھنا

ہے، جس طرح جبرئیل امین u نے پڑھا۔ جس حرف کو جس طرح انہوں نے ادا کیا، اس حرف کو اسی طرح ادا کرنا ہے۔

قرآن کریم کے علوم محفوظ رکھنا

لہٰذا صرف الفاظ کو محفوظ نہیں رکھنا، بلکہ ان الفاظ کے پڑھنے کے طریقے کو بھی محفوظ رکھنا ہے اور وہی طریقہ دوسروں کو سکھانا بھی ہے، اور پھر قرآن کریم تو معانی اور معارف کا ایک دریا ناپیدا کنارہ ہے، لہٰذا اس کے ایک ایک لفظ میں جو معانی پوشیدہ ہیں، اور اس میں جو ہدایات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں، ان تمام ہدایات کو سمجھنا بھی ہے، اور پھر ان ہدایات کو دوسروں تک پہنچانا بھی ہے، اور قرآن کریم چونکہ نہ جانے کتنے علوم کا سمندر ہے۔ اس وجہ سے ان سارے علوم کو اپنے پاس محفوظ بھی کرنا ہے۔

قرآن کریم کے احکام بھی محفوظ رکھنا تھے

پھر اس قرآن کریم میں مختلف احکامات عطا فرمائے گئے ہیں۔ فلاں چیز حلال ہے، اور فلاں چیز حرام ہے، اور پھر اس حلال اور حرام کی تفصیل جو وحی غیر متلو کے ذریعہ نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائی گئی، اس کو بھی محفوظ رکھنا ہے، اور ان احکام کی جزئیات بھی محفوظ رکھنی ہیں، یہ سارا کام سرکار دو عالم ﷺ پر ڈالا گیا___ اس لئے ابتداء میں آپ ﷺ کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ میں ایک امّی انسان تنہا ان سارے علوم کو اور ان سارے معارف کو کس طرح

محفوظ کروں گا، اور پھر اس گمراہ قوم کے سامنے جو ضلالت اور گمراہی میں ڈوبی ہوئی ہے، اس کو کس طرح پیش کروں گا؟ اور اس کو کس طرح قائل کروں گا؟ اور اس عمل پر مخالفتیں ہوں گی، مجھے ان مخالفتوں کا مقابلہ کرنا ہوگا۔ میں تنہا کیسے ان کا مقابلہ کرونگا؟ ان ساری ذمہ داریوں کا بوجھ آپ ﷺ کے قلب مبارک پر تھا___

کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ نہیں کھول دیا؟

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ (الم نشرح:۱)

ہم نے یہ سارا بوجھ اور ان ساری ذمہ داریوں کا احساس اس طرح ختم کردیا کہ ہم نے تمہارے سینے کو کھول دیا یعنی ہم نے آپ ﷺ کے سینے کو کشادہ کردیا، اور اتنا کشادہ کردیا کہ یہ سارے کام اس سینہ مبارک کے اندر سما گئے، اور اس سینہ مبارک کو یہ قوت عطا فرمائی کہ وہ اس قرآن کریم کے الفاظ بھی محفوظ رکھے، اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی محفوظ رکھے، اس کے معانی بھی محفوظ رکھے، اس سے نکلنے والے احکام بھی محفوظ رکھے___ اس طرح ہم نے آپ ﷺ کا سینہ کھول دیا۔ اگر کسی چیز کو اپنی گرفت میں لانے سے انسان اپنے آپ کو عاجز محسوس کررہا ہو، تو اس وقت انسان کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے، اور اس وقت میں اگر وہ کوئی بات سمجھنا بھی چاہتا ہے تو اس کی سمجھ میں نہیں آتی، یا کوئی بات

یاد کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ بات یاد نہیں ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا سینہ تنگ ہو رہا ہے، اور اس کے سینے میں وہ باتیں محفوظ نہیں ہو رہی ہیں ____

سینہ کھول دینے کا مطلب

جب اللہ تعالیٰ سینہ کھول دیتے ہیں تو پھر جو چیز سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، وہ سمجھ میں آنے لگتی ہے، جو چیز پہلے یاد نہیں ہو رہی تھی، وہ اب یاد ہونے لگتی ہے، اور سمجھ میں آنے اور یاد نہ ہونے سے جو کلفت ہو رہی تھی، وہ کلفت اور کوفت زائل ہو جاتی ہے ____ بہر حال! شرحِ صدر کے ایک معنیٰ تو یہ ہوئے کہ وہ سمجھ آ گئی اور وہ بات یاد ہو گئی۔

شرح صدر کے دوسرے معنیٰ

''شرحِ صدر'' کے دوسرے معنیٰ یہ ہیں کہ کسی کام پر بعض اوقات انسان تردد میں ہوتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں، اور یہ کام مجھے کرنا چاہئے یا نہیں کرنا چاہئے؟ اس تردد کے وقت انسان کے سینے میں تنگی محسوس ہوتی ہے کہ میں اس کشمکش میں مبتلا ہوں، سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کروں؟ اس موقع پر اگر اللہ تعالیٰ کسی ایک جانب کو متعین کر کے اس پر انسان کو اطمینان عطا فرما دیتے ہیں کہ تمہیں اس وقت یہ کرنا چاہئے، اس کو بھی ''شرحِ صدر'' کہتے ہیں، اس لئے کہ جو تردد تھا وہ ختم ہو گیا، اور جو کشمکش تھی وہ ختم ہو گئی اور مجھے اس کام کے کرنے پر اطمینان ہو گیا ____ لہٰذا اس آیت ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱''

میں شرحِ صدر کا دوسرا مفہوم بھی داخل ہے ____ لہٰذا جب آپ ﷺ کے سامنے مختلف مواقع آئیں گے کہ کونسا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور کونسا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہئے، تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان میں سے کسی ایک راستے کی طرف آپ کے سینہ مبارک کو کھول دیا جائے گا، اور آپ ﷺ کے اندر قوتِ فیصلہ عطا کر دی جائے گی، اور اس پر اطمینان عطا فرما دیا جائے گا ____

شرح صدر کا نتیجہ کیا ہوا؟

اب ذرا اس کا اندازہ کیجئے کہ آپ ﷺ کو ایسا شرحِ صدر، ایسی سینہ کی کشادگی عطا ہوئی کہ اگر آج اس کشادگی کا تصور کریں تو حیرت کے سوا کچھ سمجھ میں نہیں آتا ____ اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کی حیاتِ طیبہ کو دیکھئے کہ نبوت عطا ہونے کے بعد آپ ﷺ کو کل ۲۳ سال ملے، جس میں سے ۱۳ سال مکہ مکرمہ میں گزرے اور دس سال مدینہ طیبہ میں گزرے، ان تیئیس سالوں میں کیا کیا کام انجام دینے تھے؟ ایک طرف تو لوگوں کے عقیدے درست کرنے تھے، لوگوں کو توحید کی طرف لانا تھا، جو لوگ بتوں کے آگے جھک رہے تھے، جنہوں نے بتوں کو اپنا خدا بنایا ہوا تھا، اور جو صدیوں سے اس پر عمل کرتے چلے آ رہے تھے، ان کو بت پرستی سے نکالنا تھا ____ اور اس کے دلائل ان کے سامنے پیش کرنے تھے۔

بت پرستی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی

آج ہمیں اللہ تعالیٰ نے توحید کی نعمت عطا فرمائی ہوئی ہے، اس لئے بت پرستی کی قباحت ہمارے دلوں میں موجود ہے، لیکن جو لوگ صدیوں سے بت پرستی کی لعنت میں مبتلا ہوں، اور ان کو بت پرستی کی عادت پڑ گئی ہو، اور بچہ پیدا ہوتے ہی اپنے ماں باپ کو بتوں کے سامنے عبادت کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اور ان کو اپنا خدا سمجھتا ہے، اس لئے ان کی گھٹی میں یہ بات پڑی ہوئی تھی کہ ان بتوں کو اپنا خدا سمجھنا ہے، اس کے دل سے یہ بات نکالنا، اور اس کو صحیح توحید پر لانا یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی____

حضور اقدس ﷺ کی ذمہ داریاں

بہر حال! ایک طرف تو سرکار دو عالم ﷺ کی یہ ذمہ داری تھی کہ لوگوں کے دلوں سے بت پرستی کی محبت کو نکالنا ہے اور خدائے واحد کی محبت دل میں ڈالنی ہے____ اور دوسری طرف یہ ذمہ داری ہے کہ قرآن کریم نازل ہو رہا ہے، اس کو محفوظ رکھنا ہے اور اس کو لوگوں تک بھی پہنچانا ہے، یہ سب کام ایک ایسے زمانے میں کرنے ہیں جس میں کاغذ اور قلم کا استعمال بھی کم ہے____ اور اس قرآن کریم کی تعلیم بھی دینی ہے، اور اس کے پڑھنے کا طریقہ بھی سکھانا ہے اور اس کے معانی بھی سکھانا ہے۔

سورۃ البقرۃ کے پڑھنے میں ۸ سال لگے

حضرت سعد بن ابی وقاص t جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سورۃ البقرۃ نبی کریم ﷺ سے ۸ سال میں پڑھی کیوں؟ اس لئے کہ وہ فرماتے ہیں:

تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ وَالْعَمَلَ وَالْقُرْاٰنَ جَمِیْعًا

یعنی ہم نے اس تعلیم کے دوران حضور اقدس ﷺ سے قرآن کریم کو پڑھنے کا طریقہ بھی سیکھا، اور اس کے معنی بھی سیکھے، اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی سیکھا____ جب حضور اقدس ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام W کی جماعت چھوڑ کر گئے ہیں، ان ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کو قرآن پڑھانا ہے، ان کو قرآن پڑھنے کا طریقہ بھی سکھانا ہے، ان کو معانی بھی بتانے ہیں۔

قرآن کریم کی عملی تفسیر کرنی تھی

تیسرا کام یہ تھا کہ اپنے عمل سے قرآن کریم کی تفسیر کا کام کرنا تھا، یعنی اپنے عمل سے یہ بتانا تھا کہ قرآن کریم جو ہدایات دے رہا ہے، وہ صرف عقائد اور عبادات کی حد تک نہیں، بلکہ اپنی گھریلو زندگی کے اندر بھی اور بازار کی زندگی کے اندر بھی اللہ کے حکم پر کس طرح عمل کرنا ہے؟ کس طرح اپنی بیوی بچوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے؟ اور کس طرح بہن بھائیوں کے ساتھ سلوک کرنا ہے؟ کس طرح عزیز واقارب کے ساتھ معاملہ کرنا ہے؟ کس طرح پڑوسیوں کے ساتھ

سلوک کرنا ہے، اور کس طرح خرید وفروخت ہونی ہے؟ بازار میں ایک مؤمن کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہئے؟ گھر میں کیا طرز عمل ہونا چاہئے؟ یہ سب اپنے عمل کے ذریعے کرکے دکھانا ہے، یہ تیسرا کام تھا۔

مخالفین سے جہاد بھی کرنا تھا

چوتھا کام یہ تھا کہ مخالفین کا ایک طوفان ہے، جو ہر قدم پر رکاوٹیں ڈال رہا ہے، تکلیفیں پہنچا رہا ہے، اذیتیں دے رہا ہے، اور جو لوگ حق بات کو قبول کر رہے ہیں، ان کو ظلم وستم کا نشانہ بنا رہا ہے ____ ایسے مخالفین سے لڑنا بھی ہے، اس کے خلاف تلوار بھی اٹھانی ہے، ان سے جہاد بھی کرنا ہے، حضور اقدس ﷺ کے مدینہ کے قیام کے دوران صرف دس سال میں ۱۱۳ لڑائیاں لڑی گئیں۔ جبکہ مکہ کے قیام کے دوران ۱۳ سال کے عرصہ میں لڑائی کی اجازت نہیں تھی، اگر کوئی مار بھی رہا ہے تو جواب دینے کی اجازت نہیں تھی ____

صرف دس سال میں ۱۱۳ لڑائیاں

ان میں سے ایک ایک کام کو دیکھیں، دعوت، تبلیغ، تعلیم، عملی زندگی، جہاد، یہ سارے کام ایسے ہیں کہ اگر ایک شخص اپنی ساری زندگی ان کاموں کے لئے وقف کردے تب بھی یہ سارے کام اس سے نہیں ہوسکتے تھے ____ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام W کو قرآن کریم پڑھانا، اگر ایک شخص ساری زندگی صرف قرآن کریم پڑھاتا رہے، تب بھی اتنی بڑی تعداد کو پڑھانا مشکل ہے، اور

لاکھوں انسانوں کو تبلیغ کرنا، ان کو اسلام کی دعوت دینا، اور پھر ان کو اسلامی احکام سمجھانا یہ ایک مستقل کام ہے، اگر کوئی انسان اپنی پوری زندگی اس کام کے لئے وقف کردے تب بھی اتنا نتیجہ نہیں نکل سکتا، جتنا نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ میں نکلا ____ اور ۱۱۳ لڑائیاں آپ ﷺ کے عہد مبارک میں صرف دس سال کے عرصہ میں لڑی گئیں، اگر ایک آدمی اپنی زندگی صرف لڑائیوں کے لئے وقف کردے تب بھی ۱۱۳ لڑائیاں لڑنا اس کے لئے مشکل ہے، لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے عہد طیبہ میں سارے کام اطمینان سے ہو رہے ہیں، اور آپ ﷺ پر ان کاموں پر کبھی کوئی پریشانی لاحق نہیں ہو رہی ہے، آپ کو کبھی کسی کام پر کشمکش نہیں ہو رہی ہے، بلکہ جو کام ہے وہ اطمینان کے ساتھ اور سکون کے ساتھ انجام دیا جا رہا ہے۔ یہی وہ شرحِ صدر ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے ''اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ '' کیا ہم نے تمہارے سینے کو کھول نہیں دیا؟ ____ بلکہ اتنا کشادہ کردیا کہ یہ سارے کام اکٹھے انجام دیے جا رہے ہیں، اور ایسا کھول دیا کہ کائنات میں کسی اور کا سینہ اس طرح نہیں کھل سکتا، جس طرح نبی کریم ﷺ کا سینہ ہم نے کھول دیا ____ بہرحال! یہ پہلی آیت کی تفسیر تھی جو میں نے آپ کے سامنے عرض کی، اگر اللہ تعالیٰ نے زندگی عطا فرمائی تو اگلی آیات کی تفسیر انشاء اللہ اگلے بیانات میں عرض کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آئیگی

(تفسیر سورۃ الم نشرح)

2

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

❁

ضبط وترتیب

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ میمن صاحب

استاذ جامعۃ العلوم کراچی

❁

میمن اسلامک پبلشرز

ہر فرض نماز میں پڑھنے سے اللہ پاک آزمائش میں مبتلا ہونے سے بچالیں گے اور بلا اور مصیبت کے وقت کی بہترین دعا

حضرت بسر بن ابی ارطاۃ t فرماتے ہیں، میں نے حضرت محمد ﷺ کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِی الْاُمُوْرِ کُلِّھَا وَ اَجِرْنَا مِنْ خِزْیِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ۔

”اے اللہ! تمام کاموں میں ہمارا انجام اچھا فرما اور ہمیں دنیا کی رسوائی سے اور آخرت کے عذاب سے محفوظ فرما۔“

طبرانی کی روایت میں ہے اس کے بعد یہ بھی ہے کہ حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: ”جو یہ دعا مانگتا رہے گا وہ آزمائش میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی مرجائے گا۔“ (طبرانی، عن بسر بن ابی ارطاۃ t)

ہر نماز کے بعد اس دعا کو سات بار پڑھئے اول وآخر درود شریف ایک ایک بار پڑھئے۔

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص یہ دعا پڑھے گا تو ہر بلا ودکھ سے امن وامان میں رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

(بروایت: ابن ماجہ، احمد، طبرانی، عن بسر بن ابی ارطاۃ رضی اللہ عنہ، حیاۃ الصحابہ جلد۳، ص:۴۰۳)

❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آئیگی

تفسیر سورۃ الم نشرح

2

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَیِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِیَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ٭

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ٭

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝۱ وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۝۲ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ۝۳ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ ۝۴ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۵ اِنَّ مَعَ

الْعُسْرِ یُسْرًا ۝۶ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝۷ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝۸ (سورہ الم نشرح: ۱ تا ۸)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ الم نشرح ہے، جس کی کچھ تشریح گزشتہ جمعہ کو شروع کی تھی، اس سورت میں اللہ جل شانہٗ نے حضور نبی کریم ﷺ کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں ــــ چنانچہ سب سے پہلے تو فرمایا:

اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ ۝۱

کیا ہم نے آپ ﷺ کے خاطر آپ ﷺ کے سینے کو کھول نہیں دیا؟ سینے کے کھولنے سے کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں گزشتہ جمعہ کو تفصیل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں ــــ

نبوت کی ذمہ داری کا بوجھ

آگے فرمایا:

وَوَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ ۝۲ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَھْرَکَ ۝۳

اور ہم نے آپ ﷺ سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا، جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی، ''کمر توڑنا'' ایک محاورہ ہے۔ جب آدمی کو کوئی فکر ہو،

کوئی تشویش ہو، انسان پر کوئی بوجھ ہو، اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اس غم اور فکر نے میری کمر توڑ دی____ تو وہ کونسا بوجھ تھا جس کے بارے میں ان آیات میں فرمایا گیا کہ ہم نے آپ ﷺ سے وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ ﷺ کی کمر توڑ رکھی تھی____ حضور اقدس ﷺ پر بہت سارے افکار تھے، بہت سارے مسائل تھے۔ لیکن سب سے اہم بوجھ اور سب سے اہم ذمہ داری نبوت کی ذمہ داری اور اس کا بوجھ تھا، اور اپنی امت کو نجات دلانے کے لئے کوشش کرنے کا بوجھ تھا، جس ماحول میں آپ ﷺ دنیا میں تشریف لائے، اور جس طرح آپ ﷺ پر یہ ذمہ داری ڈالی گئی کہ پوری دنیا جو کفر اور ضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی، اس کو ہدایت کے راستے پر لائیں اور اس کو جہنم سے نجات دلوائیں____ یہ اتنی بڑی ذمہ داری تھی جو اس سے پہلے کسی پیغمبر پر نہیں ڈالی گئی تھی۔

سابقہ انبیاء کی ذمہ داری محدود تھی

نبی کریم ﷺ سے پہلے جو پیغمبر دنیا میں تشریف لاتے تھے، ان میں سے ہر پیغمبر اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت صالح u قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اور صرف انہی کی حد تک دین کی دعوت دینی تھی، حضرت ہود u قوم عاد کی طرف مبعوث ہوئے تھے، اور قوم عاد کی حد تک دین کی دعوت دینی تھی____ دوسری قوموں کو دین کی دعوت دینے کا بوجھ ان پر

نہیں ڈالا گیا تھا____ حضرت موسیٰ u اور حضرت عیسیٰ u بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے، بنی اسرائیل کی حد تک ان کی دعوت محدود تھی____ لیکن حضور اقدس ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ''خاتم النبیین'' بنایا۔ آخری نبی بنایا، اور آپ ﷺ کی دعوت صرف قریش کی حد تک یا صرف عرب کی حد تک محدود نہیں تھی، بلکہ پوری دنیا کے لئے تھی۔ اور دنیا کے آخری کونے تک اور قیام قیامت تک آپ ﷺ کی نبوت کا سلسلہ جاری رہنا تھا____ کسی خاص قوم اور کسی خاص زمانے کی حد تک محدود نہیں تھی____

آپ ﷺ پوری انسانیت کیلئے نبی تھے

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۝

(سورہ سبا:۲۸)

یعنی ہم نے آپ کو پوری انسانیت کے لئے ''بشیر'' اور ''نذیر'' بنا کر بھیجا ہے، بشیر کے معنی ہیں جنت کی خوشخبری دینے والا، اور ''نذیر'' کے معنی ہیں، دوزخ کے عذاب سے ڈرانے والا، لہٰذا یہ ذمہ داری کہ پوری انسانیت کو اور پوری دنیا کو اسلام کی دعوت دینی ہے، اور ان کو جہنم کی آگ سے بچانا ہے، اس ذمہ داری کا بوجھ سب سے بڑا بوجھ تھا جو نبی کریم ﷺ کے اوپر ڈالا گیا، اور یہ اتنا بڑا بوجھ تھا کہ جب سب سے پہلے آپ پر وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ کے اوپر جاڑہ چڑھ گیا____ پھر اللہ تعالیٰ نے اس بوجھ کے اٹھانے کی صلاحیت اور

قوت عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں یہ بوجھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آسان ہوگیا، چنانچہ اس آیت میں فرمایا:

وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾

یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کمر توڑ رکھی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے طبیعت پر سکینت نازل فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وہ طریقے سمجھائے جن کے ذریعہ دعوت کا یہ کام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آسان ہو جائے، پھر رفتہ رفتہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعوان و انصار بھی پیدا فرمائے، مددگار پیدا فرمائے۔ حضرات صحابہ کرام [ایسے جانثار ساتھی عطا فرمائے کہ روئے زمین پر ایسے جانثار کسی اور کو نصیب نہیں ہوئے اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس کا وہ بوجھ اتار دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا

پھر آگے ارشاد فرمایا:

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾

اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے آپ کے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا____ ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین u سے پوچھا کہ یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرے کو بلند مقام عطا فرمایا ہے، اس کا کیا مطلب ہے؟ جواب میں حضرت جبرئیل امین u نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر کو

اپنے ذکر کے ساتھ ملا دیا ہے۔ چنانچہ جہاں "لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللہ" کہا جاتا ہے وہاں "محمد رسول اللہ" بھی کہا جاتا ہے، جہاں "اشھد ان لَآ اِلٰهَ اِلاَّ اللہ" کی صدا بلند کی جاتی ہے، وہاں "اشھد ان محمد رسول اللہ" کی صدا بھی بلند کی جاتی ہے، جہاں "اطیعوا اللہ" کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو، وہاں "اطیعوا الرسول" بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اطاعت کرو____

پورے کرہ ارض پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لیا جا رہا ہے

یہ شرف اس کائنات میں کسی اور شخص کو نصیب نہیں ہوا ہوگا، کہ دنیا کا یہ جو کرہ ہے کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے کہ اس کرۂ ارض کے کسی نہ کسی حصے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی نہ لیا جا رہا ہو، کیونکہ دنیا میں ہر وقت کسی نہ کسی جگہ پر کسی نماز کا وقت شروع ہو رہا ہوتا ہے، اور اس نماز کے وقت اذان کی صدائیں بلند ہو رہی ہوتی ہیں۔ اور "اشھد انَّ محمداً رسول اللہ" کہا جا رہا ہوتا ہے، یہ شرف اس کائنات میں سوائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی برکت سے دنیا قائم ہے

اور سچی بات یہ ہے کہ اس نام نامی کی برکت سے یہ دنیا قائم ہے، اور اللہ بچائے۔ جب اس نام نامی کا لینے والا اس کائنات میں کوئی نہیں رہے گا، اس دن قیامت آجائے گی، یہ شرف اللہ تعالیٰ نے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا اور

اسی بات کو اقبال مرحوم a نے اس طرح کہا ہے کہ: ؎

دشت میں، موج کی آغوش میں، طوفان میں ہے
چین کے شہر، مراکش کے بیابان میں ہے
آسمان کی نگاہیں یہ نظارہ ابد تک دیکھیں گی
رفعتِ شانِ ''وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' دیکھیں گی

بہرحال! یہ انعام اللہ تعالیٰ نے عطا فرما کر فرمایا کہ دیکھو، ایک طرف تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر وہ بوجھ تھا، جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر توڑ رکھی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ پھر یہ آسانی عطا فرمائی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کام بھی آسان کر دیئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے کو وہ مقام بخشا جو اس کائنات میں کسی اور کو نصیب نہ ہوا____

ہر مشکل کے ساتھ آسانی

پھر آگے فرمایا:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝

بیشک تنگی اور مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے، اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے دو مرتبہ ارشاد فرمائی کہ ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہوتی ہے، بیشک ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہوتی ہے____ اس میں اللہ تعالیٰ نے مشکل کے ساتھ ''آسانی'' کے الفاظ بیان فرمائے____ ''ساتھ'' کے دو معنی ہوتے ہیں،

ایک یہ کہ جس وقت مشکل آرہی ہے اسی وقت آسانی بھی ہے، اور محاورے میں بعض اوقات اگر مشکل کے بعد بھی آسانی آجائے تو یہ کہا جاتا ہے کہ ساتھ ہی آسانی آگئی____ اس آیت میں دونوں معنی مقصود ہیں۔

عین پریشانی کے وقت بے شمار نعمتیں

ایک معنی یہ ہیں کہ جس وقت انسان پر کوئی مشکل آرہی ہوتی ہے، کوئی پریشانی، کوئی صدمہ، کوئی غم انسان پر طاری ہوتا ہے تو عین اس صدمہ کے وقت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ اگر انسان ان پر غور کرے تو وہ آسانی کا سبب بن جاتی ہے، اور اس مشکل کو آسان کر دیتی ہیں۔ مگر چونکہ ہم لوگ بے صبرے واقع ہوئے ہیں، اس لئے اگر ذرا سی تکلیف بھی انسان پر آجاتی ہے تو انسان اس تکلیف کو لے بیٹھتا ہے، اور عین اس تکلیف کے وقت جو بے شمار نعمتیں اس کو حاصل ہوتی ہیں، انسان ان کو بھول جاتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اس چھوٹی سی تکلیف کے اوپر شکوہ کرنے لگتا ہے، اور اس تکلیف کو لے کر بیٹھ جاتا ہے، اور اس تکلیف کو اپنی پریشانی کا سبب بنالیتا ہے، اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے۔

بیماری کے اندر بھی صحت

مثلاً کوئی بیماری آئی، اور اس بیماری کی وجہ سے تکلیف ہو رہی ہے، درد ہو رہا ہے، بخار آگیا ہے، تو بیشک یہ بیماری تکلیف تو ہے، لیکن انسان اگر غور کرے

تو اس تکلیف میں اور اس مصیبت میں بے شمار نعمتیں بھی میسر ہوتی ہیں ____ مثلاً ایک آدمی کو بخار چڑھا ہوا ہے، اب آدمی تو اس بخار کو لے کر بیٹھ گیا، لیکن دوسری طرف اس کے جسم کے سارے اعضا ٹھیک کام کر رہے ہیں۔ آنکھیں صحیح طریقے سے دیکھ رہی ہیں۔ کان صحیح طریقے سے سن رہے ہیں، زبان میں بولنے کی طاقت موجود ہے، تو اس خاص بیماری کے وقت بھی اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں ____ اگر آدمی اس وقت یہ سوچے اگر اس بخار کے ساتھ میرے پاس بینائی کی طاقت نہ ہوتی، یا میرے اندر بولنے کی طاقت نہ ہوتی، یا میرے اندر سننے کی طاقت نہ ہوتی، تو اس وقت میرا کیا حال بنتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے میری یہ ساری صلاحیتیں بحال رکھی ہوئی ہیں، اگر آدمی اس پر غور کرے تب پتہ چلے کہ اس ایک مشکل کے ساتھ کتنی آسانیاں اللہ تعالیٰ نے عطا فرما رکھی ہیں۔

حضرت میاں اصغر حسین صاحب a

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب a کے استاذ تھے حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب a، جو حضرت میاں صاحب کے نام سے مشہور تھے، بڑے ولی اللہ اور بڑے بزرگ تھے ____ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوگئے، اور شدید بخار آگیا، میرے والد ماجد a ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، والد صاحب نے پوچھا کہ حضرت! کیسے مزاج ہیں؟ فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری آنکھیں ٹھیک کام کر رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے کان ٹھیک کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری زبان ٹھیک کام کر رہی ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرا دل ٹھیک کام کر رہا ہے، البتہ تھوڑا بخار ہوگیا ہے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ وہ بھی دور فرما دے ____

ایک مؤمن کا صحیح عمل

یہ ہے ایک مؤمن کا صحیح طرز عمل کہ جتنی نعمتیں حاصل ہیں، پہلے ان کا ذکر کیا، اور ان کو یاد کیا، اور ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور آخر میں اس تکلیف کا ذکر کیا کہ یہ تھوڑی سی تکلیف ہے، دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کو بھی زائل فرما دے ____ یہ ہے ''اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۶'' کہ اس تکلیف اور مشکل میں بھی انسان نعمتوں کا تصور کرے تو پتہ چلے کہ اس وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسانی کے کتنے اسباب موجود ہیں ____

بیماری میں بے شمار نعمتیں

دیکھو! اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے، اور اس کا تیمادار کوئی نہ ہو، اور اس کے پاس پیسے اتنے نہ ہوں کہ علاج کرا سکے، اور اس کے قریب کوئی ہمدردی کا کلمہ کہنے والا موجود نہ ہو تو اس صورت میں وہ بیماری کتنی شدید ہو جائے گی ____ لیکن اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے، اور اس کے پاس تیمادار بھی ہیں، اور اس کے پاس ہمدردی کا کلمہ کہنے والے موجود ہیں، ہمدرد معالج موجود ہے، دوا موجود ہے، دوا

خریدنے کے لئے پیسے موجود ہیں، تو اس پریشانی اور بیماری میں بھی اللہ تعالیٰ نے راحت و آرام کے کتنے اسباب عطا فرما رکھے ہیں ـــــ یہ میں نے ایک چھوٹی سی مثال دی ہے، ورنہ اگر دنیا کی ہر تکلیف کے اندر دیکھا جائے تو اس تکلیف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نعمتیں بھی موجود ہوتی ہیں۔

تکلیف پر اجر و ثواب

پھر ایک بات اور بھی ہے، وہ یہ کہ ایک مؤمن کے لئے یہ تصور کہ جو کچھ مجھے تکلیف یا مصیبت پہنچ رہی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت سے پہنچ رہی ہے، اور اس تکلیف کے نتیجے میں میرے گناہ معاف ہو رہے ہیں، اور میرے درجے بلند ہو رہے ہیں، کیونکہ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی بندے کو کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ اس تکلیف کو مغفرت کا اور اس کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بناتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی ذہنی پریشانی لاحق ہوگئی ہے، اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملتا ہے ـــــ بہر حال! عین تکلیف اور مشکل کے وقت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو ایک مؤمن کے لئے اس طرح آسان کر دیا ہے کہ یہ مشکل جو آرہی ہے، یہ تو تقدیر کا ایک حصہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کے نتیجے میں مجھے گناہوں کی مغفرت عطا فرمائی ہے، میرے درجات بلند فرمائے ہیں، مجھے اجر و ثواب مل رہا ہے، ان باتوں کا تصور اس مشکل اور پریشانی کو ہلکا کر دیتا ہے ـــــ اس لئے فرمایا: ''اِنَّ مَعَ

الْعُسْرِ یُسْرًا﴿۶﴾ '' ہر تنگی کے ساتھ ہی ساتھ آسانی بھی ہے ـــــ

ہر تکلیف کے بعد راحت بھی آتی ہے

آسانی کی دوسری قسم وہ ہے جو مشکل کے بعد آتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اگر کسی شخص پر کوئی تکلیف آئیگی تو وہ تکلیف دائمی نہیں ہوگی، وہ غم دائمی نہیں ہوگا ـــــ اس دنیا میں نہ خوش دائمی ہے، نہ غم دائمی ہے، بلکہ ہر تکلیف کے بعد کوئی نہ کوئی راحت اور آسانی میسر آجاتی ہے، کبھی وہ آسانی جلدی آجاتی ہے، اور کبھی اس کے آنے میں وقت لگتا ہے، لیکن آتی ضرور ہے ـــــ مثلاً جب بیماری آتی ہے تو اس کے بعد صحت بھی آتی ہے، اِلا یہ کہ انسان کا وقت ہی پورا ہوگیا ہو تو پھر وہ دنیا ہی سے رخصت ہوجاتا ہے۔ لیکن زندگی باقی ہے تو بیماری کے بعد صحت بھی آتی ہے، اگر روزگار میں تنگی آگئی ہے، تو وہ کچھ عرصہ رہے گی، اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو کشادگی سے تبدیل فرمادیں گے ـــــ اگر کوئی صدمہ پیش آیا ہے تو وہ صدمہ کچھ دن رہے گا، اس کے بعد انسان اس صدمہ کو بھول جائے گا اور اس کے لئے راحت پیدا ہوجائے گی۔

یہ تکلیف دائمی نہیں

لہٰذا آدمی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اگر اس پر کوئی تکلیف آرہی ہے تو وہ تکلیف دائمی نہیں ہوگی ـــــ ہاں ـــــ دائمی تکلیف تو آخرت میں ہوگی، اللہ تعالیٰ کا جو کوئی بندہ نافرمان ہے، یا کافر ہے، تو پھر آخرت میں اس کو جو تکلیف آئے گی، وہ

کبھی ختم ہونے والی نہ ہوگی، لیکن دنیا میں جو تکلیف آئی ہے، وہ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی، اور اس کے بعد یُسر اور آسانی حاصل ہو جائے گی ____ بہرحال! نبی کریم ﷺ کو یہ انعامات یاد دلائے جا رہے ہیں کہ ہم نے آپ کا سینہ کھولا، اور آپ کے اوپر ذمہ داری کا جو بوجھ تھا، وہ ہم نے ہلکا کر دیا۔

ایک تنگی کے بعد دو آسانیاں آئیں گی

پھر دوبارہ فرمایا:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ﴿۵﴾

کہ تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے ____ گویا کہ دو مرتبہ فرمایا کہ تنگی کے ساتھ آسانی آتی ہے ____ عربی زبان کا ایک قاعدہ ہے کہ اگر دو چیزوں کو دو مرتبہ ذکر کیا جا رہا ہے تو جو چیز الف لام کے ساتھ ذکر کی جاتی ہے، وہ دو مرتبہ ذکر کرنے کے باوجود ایک چیز مراد ہوتی ہے، اور جو چیز بغیر الف لام کے ذکر کی جاتی ہے وہ مرتبہ ذکر کرنے سے دو چیزیں الگ الگ مراد ہوتی ہیں ____ لہٰذا ان آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تمہارے اوپر ایک تنگی آئے گی تو اس کے بعد دو آسانیاں بھی آئیں گی۔

ایک آسانی دنیا میں ایک آخرت میں

چنانچہ ایک مرتبہ خود نبی کریم ﷺ نے یہ حقیقت ارشاد فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا یہ کرم دیکھو کہ ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں عطا فرماتے ہیں، دو

آسانیاں اس طرح عطا فرماتے ہیں، کہ بعض اوقات دنیا ہی کے اندر ایک تنگی کے ساتھ دو آسانیاں مل جاتی ہیں، اور بعض اوقات ایک آسانی دنیا کے اندر عطا فرماتے ہیں اور ایک آسانی آخرت میں عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا یہ بات ہر مؤمن کو ہر پریشانی کے وقت میں ذہن نشین رکھنی چاہئے، کہ ''اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾'' اب وقت ختم ہو گیا ہے، بقیہ آیات کی تفسیر انشاء اللہ عید الاضحیٰ کے بعد عرض کروں گا ____ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ○

✿✿✿
✿

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فارغ اوقات کو نفلی عبادات میں لگاؤ

تفسیر سورۃ الم نشرح

3

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّئٰتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَنَبِيَّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا۔

اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ

الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ (سورۃ الم نشرح: ۱ تا ۸)

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ مَوْلَانَا الْعَظِيْمُ، وَ صَدَقَ رَسُوْلُهُ النَّبِيُّ الْكَرِيْمُ، وَنَحْنُ عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَالشَّاكِرِيْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

تمہید

بزرگانِ محترم اور برادرانِ عزیز، یہ سورۃ الم نشرح کی آخری دو آیات ہیں، جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں، عیدالاضحیٰ سے پہلے اس سورت کی تفسیر اور کچھ تشریح آپ حضرات کی خدمت میں پیش کی گئی تھی ___ یہ دو آیات رہ گئیں تھیں جن کا بیان باقی تھا ___ ان دو آیات میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ یعنی جب آپ ﷺ فارغ ہو جائیں تو اپنے آپ کو تھکایئے، محنت کیجئے، وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾ اور اپنے پروردگار ہی سے لو لگایئے، اور اسی کی طرف توجہ کیجئے۔

عبادت میں اپنے آپ کو تھکایئے

ان آیات کے ذریعہ حضور اقدس ﷺ سے یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جن مصروفیات میں آپ مشغول رہتے ہیں ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی

مصروفیات دین کو پھیلانے کی، تعلیم کی، تبلیغ کی، تدریس کی، اور جہاد کی اور لوگوں کی تربیت کی مصروفیات تھیں____ جب آپ ان مصروفیات سے فارغ ہوجائیں تو آپ ﷺ اپنے آپ کو تھکائیے، یعنی آپ ﷺ کی روزانہ کی مصروفیات جو آپ ﷺ کے فرائض منصبی سے متعلق ہیں، ان سے جب فارغ ہونے کے لمحات میسر آئیں تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی براہ راست عبادت میں مشغول ہوکر اپنے آپ کو تھکائیے، یعنی اتنی عبادت کیجئے جس سے جسم تھکنے لگے____

فرض نمازیں تو پڑھنی ہی ہیں

یہاں عبادت سے مراد نفلی عبادتیں ہیں۔ اس لئے کہ جو عبادات فرض ہیں، وہ تو آپ کو انجام دینی ہیں، چاہئے آپ فارغ ہوں یا نہ ہوں____ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں آج زیادہ مصروف ہوں، لہٰذا ظہر کی نماز نہیں پڑھوں گا____ ایسا نہیں ہوسکتا، اس کے لئے تو ہر حال میں وقت نکالنا ہی ہے، اس کے لئے فراغت شرط نہیں۔ آدمی کتنا ہی مشغول ہو، لیکن جب نماز کا وقت آجائے تو اس کو نماز پڑھنی ہی ہے، نماز پڑھنا فراغت پر موقوف نہیں____ لہٰذا یہاں اس آیت میں حضور اقدس ﷺ سے یہ جو کہا جارہا ہے کہ جب آپ ﷺ فارغ ہوجائیں تو عبادت کے اندر اپنے آپ کو تھکائیے، اس سے مراد نفلی عبادت ہے، نفلی نمازیں، تلاوت قرآن کریم، اللہ تعالیٰ کا ذکر اور تسبیحات مراد ہیں____

مومن کا ہر کام موجب اجر وثواب ہے

اس سے یہ سبق دیا جارہا ہے کہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یوں تو ایک مومن کے صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں جتنے کام ہوتے ہیں، اگر وہ کام صحیح نیت سے صحیح طریقے سے انجام دیئے جائیں تو وہ بھی موجب اجر و ثواب ہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص روزی کمارہا ہے، اور اس نیت سے کمارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذمے کچھ حقوق رکھے ہیں اور ان حقوق کی ادائیگی کے لئے میں یہ روزی کمارہا ہوں، اور روزی کمانے کا حلال طریقہ اختیار کرے، حرام طریقے سے بچے تو اس صورت روزی کمانے کا جتنا عمل ہے وہ بھی درحقیقت عبادت بن جاتا ہے، وہ بھی موجب اجر وثواب بن جاتا ہے____ فرض کریں کہ کوئی شخص کسی جگہ پر ملازمت کرتا ہے، اگر اس کی نیت ملازمت کرنے سے یہ ہے کہ جو تنخواہ مجھے حاصل ہوگی، اس سے میں اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا کروں گا، اور حلال طریقے سے یہ کام انجام دوں گا، تو اس ملازمت کے جن جائز کاموں کو کررہا ہے وہ سب اس کے لئے موجب اجر وثواب ہوجائیں گے____

مومن کا کھانا اور سونا بھی عبادت

یا مثلاً ایک آدمی کھانا کھارہا ہے اور اس نیت سے کھارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر میرے نفس کا حق رکھا ہے، لہٰذا اس حق کو ادا کرنے کے لئے میں کھانا کھارہا ہوں، اور جب کھانا کھانے کے نتیجے میں میری قوت بحال ہوگی تو

میں اپنے فرائض بہتر طریقے سے انجام دے سکوں گا، تو اب کھانا کھانا بھی عبادت بن گیا۔ بشرطیکہ مسنون طریقے سے بسم اللہ پڑھ کر کھائے ___ اگر کوئی شخص سو رہا ہے اور اس نیت سے سو رہا ہے کہ سونے کے نتیجے میں طبیعت میں چستی اور تازگی پیدا ہوگی، اور اس کو میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں استعمال کروں گا، اور سنت کے مطابق دعا پڑھ کر داھنی کروٹ پر سوئے تو یہ سونا بھی عبادت بن گیا ___ اس طرح ایک مؤمن کا ہر کام عبادت بن سکتا ہے۔

نیت درست کرنے سے عبادت بن گئے

لیکن عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم یہ ہے کہ ایک عمل حقیقت میں عبادت نہیں تھا، بلکہ ایک مباح عمل تھا، لیکن نیت درست کرنے کے نتیجے میں اور سنت طریقے پر کرنے کے نتیجے میں وہ عمل عبادت بن گیا ___ جیسے کھانا کھانا، پانی پینا، سونا، تجارت کرنا، ملازمت کرنا، لوگوں سے ملنا وغیرہ یہ سب جائز اور مباح تھے، براہ راست عبادت نہیں تھے، لیکن نیت درست کرنے سے یہ کام عبادت بن گئے۔

براہ راست عبادت والے کام

عبادت کی دوسری قسم وہ ہے جو براہ راست عبادت ہے، اور وہ ایسا عمل ہے کہ اس سے سوائے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے کوئی اور مقصد نہیں، مثلاً نماز پڑھنا، روزے رکھنا، تلاوت کرنا، ذکر کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، دعائیں کرنا وغیرہ یہ سب عبادتیں وہ ہیں جو براہ راست عبادت ہیں ___ دوسرے الفاظ میں یوں کہہ

لیں کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں، ایک براہ راست عبادت، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، تلاوت وغیرہ۔ دوسرے بالواسطہ عبادت کہ وہ اصل میں تو وہ عمل عبادت نہیں تھا، لیکن ایک مؤمن کے لئے اس عمل کو صحیح نیت سے انجام دینے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے اس کو عبادت کا درجہ دیدیا ___

نفلی عبادتوں میں اپنے آپ کو تھکاؤ

لہٰذا اگر ایک مؤمن اپنی صبح سے لے کر شام تک کی زندگی میں اپنی ملازمت میں لگا ہوا ہے، یا اپنی تجارت میں لگا ہوا ہے، لیکن صحیح نیت سے اور صحیح طریقے سے یہ سب کام انجام دے رہا ہے، تو جب وہ اس عبادت سے فارغ ہو جائے، اور اس کے پاس فارغ وقت ہو، تو اس کو چاہئے کہ اس وقت کو نفلی عبادتوں میں صرف کرے اور ان نفلی عبادتوں کے اندر اپنے آپ کو تھکائے ___ مثلاً اللہ تعالیٰ کے حضور اقدس نبی کریم ﷺ رات کو تہجد کی نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اتنا طویل قیام فرماتے کہ پاؤں مبارک پر ورم آجاتا تھا ___ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ آپ سے فرماتیں کہ یا رسول اللہ ﷺ! ایک طرف تو آپ ﷺ سے کوئی خطا سرزد نہیں ہوتی، اور اگر سرزد ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے تو آپ کی اگلی پچھلی ساری خطائیں معاف فرما دی ہیں، پھر آپ ﷺ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ جواب میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا

کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟

اللہ تعالیٰ کے شکر کا تقاضہ یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو تھکاؤں۔

فارغ وقت میں اللہ کا ذکر کرو

بہرحال! حضور اقدس ﷺ کے واسطے سے ہمیں یہ سبق دیا جارہا ہے کہ جب تمہیں خالی وقت مل رہا ہو، تو اس خالی وقت کو بے کار ضائع کرنے کے بجائے اس کو اللہ تعالیٰ سے لولگانے میں، اور اس وقت کو نفلی عبادتوں میں صرف کرو ___ اس میں نفلی نماز بھی داخل ہے، قرآن کریم کی تلاوت بھی داخل ہے، اس میں ذکر اللہ بھی داخل ہے، ارے جب تم فارغ بیٹھے ہو، اور تمہیں کوئی کام نہیں ہے، وقت فارغ ہے، تو اس کو بے کار ضائع کرنے کے بجائے زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلو، صرف "سُبْحَانَ اللہ" ہی پڑھتے رہو، صرف "الحمد للہ" پڑھتے ہو، یہ کلمات اگرچہ مختصر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا بڑا اجر و ثواب ہے۔

ذکر کیلئے بہترین کلمات

ایک حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ دو کلمے ایسے ہیں کہ زبان سے ادا کرنے میں تو وہ ہلکے اور آسان ہیں، لیکن میزانِ عمل میں ان کا وزن بہت ہے اور رحمن کو وہ کلمے بہت محبوب ہیں، وہ دو کلمے یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ

لہٰذا جس وقت آپ خالی بیٹھے ہیں اور کوئی کام نہیں کر رہے ہیں، اس خالی وقت میں یہ ذکر زبان پر ہو ___ یا آپ گاڑی میں سفر کر رہے ہیں، بس میں سفر کر رہے ہیں، سفر لمبا ہے، وقت خالی ہے، کوئی اور کام اس وقت میں نہیں کر سکتے تو

اس وقت کو بیکار گزارنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی کرتے رہو، اور یہ پڑھو۔

سُبْحَانَ اللہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْمِ

یا: سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَاللہُ اَکْبَر

یا: وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

ان آخری کلمات کے بارے میں حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ جنت کے خزانوں سے ایک خزانہ ہے ___ بہرحال! ہر وقت اللہ کے ذکر سے زبان تر رہے۔

افضل عمل کونسا؟

ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ کسی صحابی نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہاری زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے، یعنی ہر وقت تمہاری زبان پر اللہ تعالیٰ کا کوئی ذکر ہو ___

یہ اوقات سرمایہ زندگی ہیں

اس آیت میں جو فرمایا جارہا ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو تھکاؤ، اس کے ذریعہ درحقیقت یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے جو اوقات دے رکھے ہیں، وہ انتہائی قیمتی ہیں، یہ اوقات ہمارا سرمایہ زندگی ہے، ان اوقات کو اس طرح بیکار گزارنا کہ اس میں نہ دنیا کا کوئی فائدہ ہو، نہ آخرت کا کوئی فائدہ ہو، وہ ایسا ہے جیسے سونے کو مٹی بنا دینا ___ اللہ تعالیٰ نے ایک ایک لمحہ بڑا

قیمتی عطا فرمایا ہے، اگر انسان اس کو صحیح استعمال کرے تو اس کے ذریعہ ایک لمحہ کے اندر انسان جنت تک پہنچ سکتا ہے ــــ اس لئے جب تم کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو یہ مت سمجھو کہ اب مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس فارغ وقت میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اپنے آپ کو تھکاؤ ــــ

دل نہ لگنے کے باوجود عبادت کرتے ہو

اور اس آیت کے ذریعہ یہ سبق بھی دیدیا کہ جب کوئی بندہ نفلی عبادتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، یا نفلی عبادتوں کا ارادہ کرتا ہے، چاہے وہ نفلی عبادت نماز ہو، تلاوت ہو، ذکر ہو، تو شروع میں اس کا دل ان عبادتوں میں نہیں لگتا، جس کی وجہ سے وہ تھوڑی دیر عبادت کر کے پھر چھوڑ بیٹھتا ہے ــــ اس آیت کے ذریعہ بتایا جا رہا ہے کہ دل کا نہ لگنا بھی ایک مشقت ہے، لہٰذا دل نہ لگنے کے باوجود اپنے آپ کو زبردستی اس کام میں لگاؤ، وہ تھکن ہی مقصود ہے، وہ مشقت اور تعب ہی مقصود ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ مشقت برداشت کرو گے اور اس کے لئے محنت کرو گے تو تمہارا یہ عمل بذات خود اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ بنے گا ــــ اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا تعلق مضبوط ہوگا۔

عبادت مزہ لینے کیلئے نہیں کی جاتی

لہٰذا نفلی عبادات میں اپنے آپ کو تھکاؤ، اور یہ ضروری نہیں کہ ذکر کرنے،

تسبیح میں اور تلاوت کرنے میں اور دوسری عبادتوں میں مزہ بھی آئے۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم عبادت کرتے ہیں، مگر ہمیں عبادت کرنے میں مزہ نہیں آتا، ارے بھائی! عبادت مزے حاصل کرنے کے لئے نہیں کی جاتی، بلکہ عبادت تو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کی جاتی ہے، چاہے مزہ آئے یا نہ آئے، چاہے دل لگے یا نہ لگے، انسان جس طرح بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور بندگی کے لئے کوئی عبادت انجام دے رہا ہے تو بس وہ اطاعت ہے، بندگی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے ــــ لہٰذا اس آیت میں یہ کہہ کر کہ اپنے آپ کو تھکاؤ، اشارہ اس طرف کر دیا ہے کہ یہ عبادتیں یہ تمہاری طبیعت کے خلاف ہوں گی، اور شروع میں تمہیں ناگوار معلوم ہونگی ــــ مشقت ہوگی، محنت ہوگی ــــ لیکن اللہ کی خاطر اس محنت کو برداشت کرو، اور وہ مشقت اٹھاؤ اور دل لگے یا نہ لگے، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنے آپ کو مصروف رکھو، اور اس تھکن اور مشقت کا مزہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچنے کے بعد ملے گا، اور اس وقت پتہ چلے گا کہ ہم نے جو مشقت اور تکلیف اٹھائی تھی، اور دل نہ لگنے کے باوجود ہم اس عبادت میں لگے ہوئے تھے، اس کا اللہ تعالیٰ نے کتنا عظیم بدلہ اور صلہ ہمیں عطا فرمایا۔

عبادت پر صبر کرو

قرآن کریم کی اصطلاح میں اسی کا نام ''صبر'' ہے، ویسے تو صبر کا لفظ عام طور پر اس وقت بولا جاتا ہے جب انسان پر کوئی مصیبت آجائے، اور اس پر انسان صبر کرے تو اس کو ''صبر'' کہا جاتا ہے، لیکن قرآن کریم کی اصطلاح

میں اس کو بھی صبر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا، اور خواہش دل میں یہ تھی کہ اس عبادت سے چھٹکارا ہی مل جائے تو اچھا ہے، لیکن زبردستی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگایا، اور اپنی نفس کی خواہش کو کچلا تو یہ بھی "صبر" ہے۔

جنت کی نعمتیں صبر کرنے پر

قرآن کریم میں جگہ جگہ اہل جنت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ہم نے جنت کی نعمتیں ان کو دی ہیں، وہ اس لئے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی میں صبر سے کام لیا تھا، ان کا دل عبادت کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر پھر بھی ہماری عبادت میں لگے ہوئے تھے، دل نہیں چارہ رہا تھا، مگر پھر بھی ہماری اطاعت میں لگے ہوئے تھے، بلکہ ان کا دل گناہ کرنے کو چاہ رہا تھا، مگر انہوں نے اپنے آپ کو روک کر اس گناہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھا تھا، اس کی وجہ سے ان کو جنت کی یہ نعمتیں دی جارہی ہیں، بہرحال! یہ جو کہا جارہا ہے کہ جب تم فارغ ہو جاؤ تو اپنے آپ کو تھکاؤ، یعنی دل لگ رہا ہو، یا نہ لگ رہا ہو، تب بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

کس چیز سے فارغ ہو جاؤ؟

اس آیت میں ایک اور سبق ہم سب لوگوں کے لئے یہ دیا گیا ہے کہ یہ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جارہا ہے کہ جو تم فارغ ہو جاؤ، اب سوال یہ ہے کہ کس چیز سے فارغ ہو جاؤ؟ — جہاں تک ہمارا معاملہ ہے تو ہم لوگ تو دنیاوی

کاموں میں اور روزی کمانے میں تجارت میں اور معیشت میں ہر وقت لگے رہتے ہیں — جبکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حال تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو سارا دن رات اللہ تعالیٰ کے دین ہی کے کاموں میں مصروف رہتے تھے، کبھی تعلیم میں، کبھی تبلیغ میں، کبھی تدریس میں، کبھی نصیحتوں میں، کبھی جہاد میں، کبھی لوگوں کے درمیان صلح کرانے میں، ان تمام کاموں میں مصروف رہتے تھے، اور یہ سب کام بھی تو دین ہی کے کام تھے — لیکن اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فرما رہے ہیں کہ جب تم ان کاموں سے بھی فارغ ہو جاؤ تو اب براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم کر کے اپنے آپ کو تھکاؤ۔

دین کا کام کرنے والوں کو ہدایت

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ دین ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں، چاہے وہ طالب علم ہوں، چاہے وہ استاذ ہوں، چاہے وہ تبلیغ میں لگے ہوئے ہوں، چاہے وہ جہاد میں لگے ہوئے ہوں — ان سب حضرات کو بھی جب فارغ وقت ملے تو اس میں ان کو نفلی عبادتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، مثلاً نفلی نمازیں پڑھے، ذکر کرے، تلاوت قرآن کریم کرے، اور اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگے —

اس لئے فرمایا: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾ (سورہ الم نشرح: ۷)

نماز فارغ ہونے کی چیز نہیں

دوسرے اس سے ایک اور بات بھی نکلتی ہے، وہ یہ کہ بعض اوقات ہم لوگ

اس طرح کے جملے بولتے ہیں کہ بھائی ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر یہ کام کریں، یا نماز سے فارغ ہو جائیں پھر کھانا کھائیں گے ____ میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ کے سامنے کسی نے یہ کہا کہ ذرا عشاء کی نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر کھانا کھائیں گے۔ حضرت والد صاحب a نے فرمایا کہ بھائی: نماز ایسی چیز نہیں کہ اس سے فارغ ہوں ____ اس لئے کہ اس کا تو مطلب یہ نکلتا ہے کہ نماز ایک بوجھ ہے، اس کو جلدی سے اپنے سر سے اتار دیں، اور پھر جو اصل مقصد یعنی کھانا کھانا اس کی طرف آئیں ____ فرمایا کہ یہ بے ادبی کا جملہ ہے ____ گویا کہ اصل مقصد تو کھانا کھانا ہے، اور نماز تو ایک بوجھ ہے جو سر سے اتار دیں ____ ارے قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ: ''فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۙ'' کہ جب تم دوسرے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو پھر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگاؤ۔

پہلے کھانا بعد میں نماز

اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اگر بھوک لگی ہوئی ہو، اور کھانا سامنے آجائے تو اس صورت میں کھانا پہلے کھاؤ، اور نماز بعد میں پڑھو، تاکہ ذہن کھانے سے فارغ ہو جائے، ورنہ یہ ہوگا کہ بھوک لگی ہوئی ہے، اور کھانا تیار ہے تو اب ذہن تو کھانے کی طرف لگا ہوا ہوگا، تو اس صورت میں کہاں سے خشوع اور خضوع پیدا ہوگا ____ اسی لئے حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِذَا حَضَرَ الْعِشَاءُ وَالْعَشَاءُ فَابْدَؤُا بِالْعَشَاءِ

جب رات کا کھانا اور عشاء کی نماز دونوں ایک ساتھ آجائیں تو پہلے کھانا کھالو، پھر عشاء کی نماز پڑھو ____ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ نماز پہلے پڑھنے کی صورت میں دل و دماغ کے کھانے کی طرف متوجہ ہونے کا اندیشہ ہو ____ لیکن اگر کھانے کی طرف زیادہ توجہ نہیں ہے، اور اطمینان سے آدمی نماز پڑھ سکتا ہے تو اس صورت میں آدمی پہلے نماز پڑھ لے ____ لیکن یہ کہنا کہ ذرا نماز سے فارغ ہو جائیں تو پھر اطمینان سے کھانا کھائیں گے ____ یہ اس آیت کریمہ کے حکم کے خلاف ہے۔

ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع

آخر میں فرمایا:

وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝۸ (سورہ الم نشرح: ۸)

اور اپنے پروردگار ہی کی طرف توجہ کرو، اسی سے لو لگاؤ ____ یعنی تم جس حالت میں بھی ہو، تمہاری توجہ، تمہارا دھیان، تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا رہنا چاہئے، کونسا انسان ایسا ہے جس کو ہر وقت کوئی نہ کوئی حاجت لگی ہوئی نہ ہو، ہر وقت انسان کو کسی نہ کسی چیز کی حاجت اور ضرورت ہے ____ اس آیت کے ذریعہ یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس حاجت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر کے اس سے مانگنے کی عادت ڈالو، چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو ____ ایک حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تمہارے جوتے کا

تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو____ اب آدمی یہ سوچتا ہے کہ اگر جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تو اس کا حل یہ ہے کہ آدمی موچی کے پاس جائے، اور اس سے ٹھیک کرائے____ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ وہ بھی اللہ سے مانگو، کیوں؟ اس لئے کہ موچی سے جوتے کا تسمہ ٹھیک کرانا یہ ایک ظاہری سبب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی سبب اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر مؤثر نہیں ہوتا۔

کام میں رکاوٹیں ہو جائیں گی

فرض کرو تم نے جوتے کا تسمہ ٹھیک کرانے کے لئے موچی کے پاس جانے کا ارادہ کیا____ اول تو یہ پتہ نہیں کہ موچی تک پہنچنے کے اسباب بھی مہیا ہوں گے یا نہیں؟ اور اگر وہاں پہنچ گئے تو پتہ نہیں کہ موچی ملے یا نہ ملے، اگر موچی مل بھی جائے تو وہ کہہ دے کہ میرے پاس بہت کام ہے، میں یہ کام نہیں کرسکتا____ یا وہ موچی اتنی زیادہ اجرت مانگے کہ تم نہ دے سکو____ اس طرح کے ہزارہا رکاوٹیں ہوسکتی ہیں____ لہٰذا جب تک کہ چھوٹے سے چھوٹے کام میں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت شامل نہیں ہوگی، اس وقت تک دنیا کا کوئی کام نہیں ہوسکتا____ لہٰذا چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگو۔

ہر وقت اللہ سے مانگتے رہو

مثلاً آپ کہیں جانے کے لئے گھر سے باہر نکلے، اس وقت کہو، یا

اللہ! کوئی اچھی سواری مل جائے____ جب سواری میں بیٹھ گئے تو کہو: یا اللہ! عافیت کے ساتھ منزل تک پہنچا دیجئے____ درمیان میں کوئی رکاوٹ نہ ہو جائے____ اور یہ کہو: یا اللہ! جس کام کے لئے میں جا رہا ہوں، وہ کام کرا دیجئے____ اور یہ کہو: یا اللہ! جس شخص کے پاس ملاقات کے لئے جا رہا ہوں، اس سے میری ملاقات ہو جائے، اور وہ شخص اپنی جگہ پر مل جائے____ لہٰذا ہر وقت اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی عادت ڈالو____ اور جو بندہ ہر ہر قدم پر ہر کام کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کو اپنا حاجت روا، اسی کو اپنا کارساز اور اپنا مشکل کشا سمجھتا ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط ہو جاتا ہے____ اور جب تعلق مضبوط ہو جاتا ہے تو وہی تعلق درحقیقت دنیا اور آخرت کی کامیابی کا بہترین ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنی رحمت سے ہم سب کو اس کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وَآخر دعوانا أن الحمد للہ ربّ العالمین ○

✿✿✿
✿